اعتبارِ وفا

قسط 14

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں
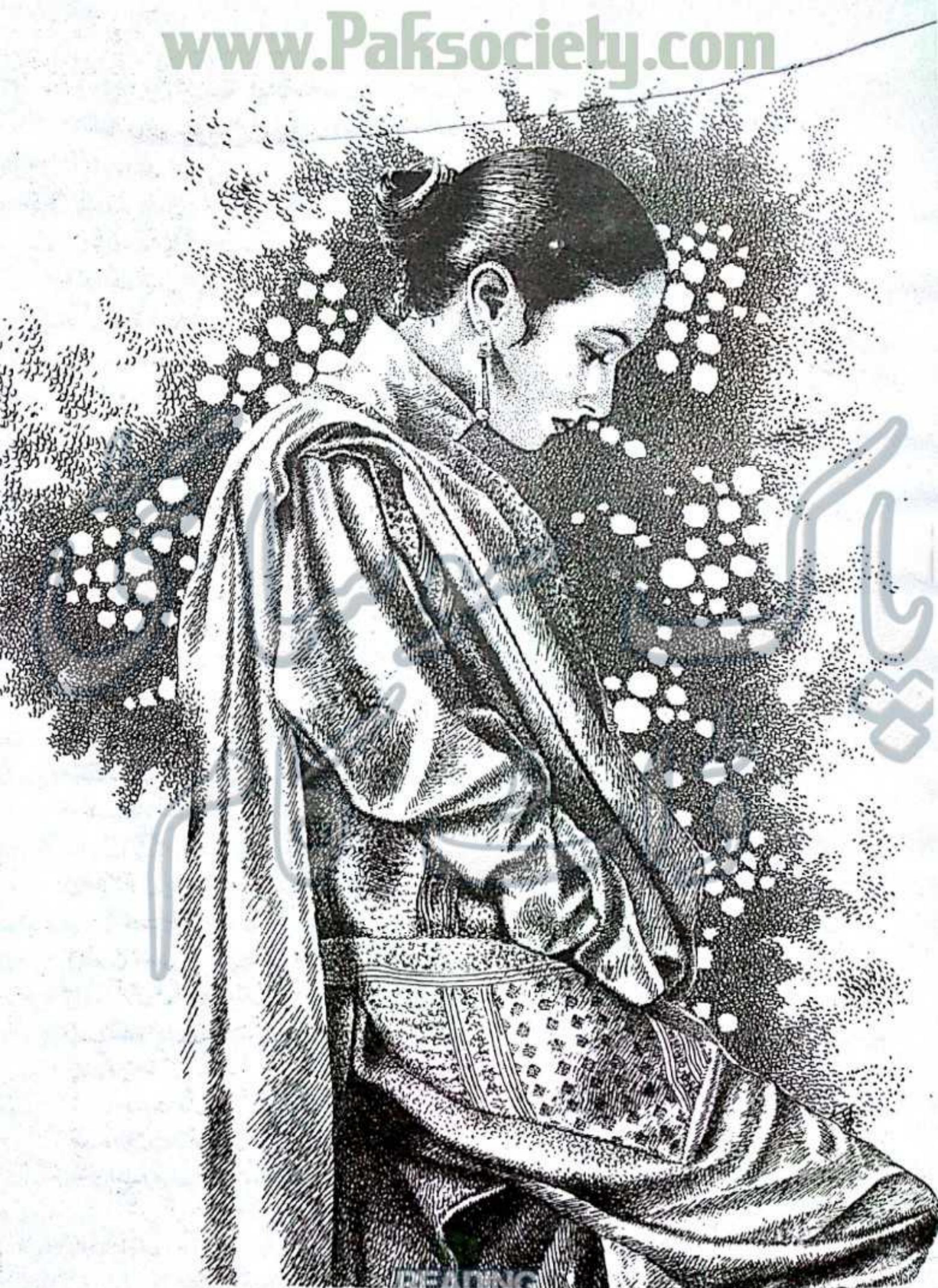
''ثمر تم صوفی نصیر کے بیٹے تھے، مہذب، دین دار، تعلیم یافتہ لیکن میری وجہ سے تم کیا بن گئے۔''
''تمہاری وجہ سے نہیں فرحی، ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔''
''تم کچھ بھی کہو ثمر لیکن میں نے اس کے لیے ہمیشہ خود کو ہی قصوروار جانا...... میری ایک ذرا سی لغزش، ذرا سی جذباتیت نے ہماری زندگی کے دھارے بدل دیے...... لیکن اب نہیں...... اب تم میری وجہ سے قاتل نہیں بنو گے...... میں نے اپنا قتل معاف کیا...... وعدہ کرو ثمر کہ میرے بیٹے کو لے کر اس زندگی سے کہیں دور چلے جاؤ گے۔ کسی ایسی جگہ جہاں اس زندگی کی پرچھائی تک میرے بیٹے پر نہ پڑے۔ وعدہ کرو تم قاتل نہیں بنو گے...... میرا بیٹا ایک قاتل کا بیٹا نہیں کہلائے گا۔'' اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی لیکن وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''میں وعدہ کرتا ہوں فرحی کہ میں تمہارے بیٹے کو لے کر کہیں کسی اور ملک میں چلا جاؤں گا۔ میں یہاں نہیں رہوں گا فرحی، ہم تینوں اس ملک سے چلے جائیں گے۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' اور فرحی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔
اس کا پورا وجود ایک ان دیکھی آگ سے جل اٹھا اس نے مٹھیاں بھینچ کر زور سے بیڈ کی پٹی پر ماریں اور مضطرب ہو کر ایک بار پھر کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ اندر جلتی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی۔ ایک الاؤ تھا جو بھڑکتا تھا اور شعلے چاروں اور لپکتے جیسے اسے بھسم کیے دیتے ہوں۔ وہ ٹہلتے، ٹہلتے تھک گیا تو نڈھال ہو کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں بہت دنوں بعد آج اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ اس نے جھک کر جوتے اتارے اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے ہاتھوں کی انگلیوں سے آنکھوں کو دبایا جیسے وہ آنکھوں میں پھیلتی نمی کو باہر آنے سے روکنا چاہتا ہو...... آنسو باہر تو نہیں نکلے تھے لیکن اندر گرنے لگے تھے قطرہ، قطرہ کر کے، اندر بھڑکتے الاؤ کو ان آنسوؤں نے مدھم کر دیا تھا لیکن نم آنکھوں کے آئینے میں ماضی کے بہت سارے منظر جھلملانے لگے تھے۔
ان دنوں زندگی کتنی خوب صورت ہوگئی تھی۔ آنے والے بچوں کے اور ان کے مستقبل کے متعلق باتیں کرتے ہوئے وہ تھکتے نہ تھے۔ جلیل خان نے اس کے لیے فیصل آباد میں ایک چلتا ہوا ہوزری کا کارخانہ خریدنے کا فیصلہ کیا تھا...... کارخانے کا مالک، ملک چھوڑ کر جا رہا تھا۔
''اس چھوٹے سے کارخانے سے ابتدا کرو ثمر انشاء اللہ ایک دن بڑے بزنس مین بنو گے۔'' جلیل خان کو اس کی صلاحیتوں پر اعتبار تھا اور فرحی کو یقین......
''بہت جلد ہم اپنا تلخ ماضی بھول جائیں گے ثمر، ہمارا ایک گھر ہوگا، ہمارے بچے ہوں گے اور ہم نارمل لوگوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ عام لوگوں جیسی زندگی...... جیسی زندگی سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں لوگ گزار رہے ہیں۔'' فرحی کی آنکھوں میں ان دنوں ہزاروں خواب سج گئے تھے۔ وہ خود بھی تو ان خوابوں میں اس کا شریک تھا۔ بچوں کے ناموں سے لے کر انہوں نے ان کی تعلیم تک پر بحث کر ڈالی تھی کہ وہ کہاں اور کس، کس ادارے میں اپنے بچوں کو پڑھائیں گے۔

وہ بہت خوش اور مطمئن تھا۔ وہ ایک بوجھ سا جو ہمیشہ اس کے سینے پر دھرا رہتا تھا، سینہ اب اس بوجھ سے خالی تھا۔ وہ بوجھ کیسا تھا۔ اس نے کبھی کھوجنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید غلط راستے پر چلنے کا بوجھ تھا کسی احساسِ جرم جیسا لیکن اب وہ اس بوجھ سے آزاد تھا۔
لیکن کبھی، کبھی وہ اماں اور ابا کو یاد کر کے اداس ہو جاتا، وہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے اور اماں فرحی کے کتنے لاڈ اٹھاتیں...... اس روز اماں کو یاد کر کے بے اختیار ہی اس کے لبوں پر شکوہ آ گیا تھا۔
''ہمارے اتنے نقصان ہوئے فرحی کیا تھا اگر اللہ اماں کو ہمارے پاس رہنے دیتا...... صرف اماں ہمارے پاس

ہوتیں تو۔۔۔ یہ زندگی نے ہمارے ساتھ کیسا مذاق کیا ہے فرحی۔۔۔۔۔۔ بے جرم کی سزا کاٹ رہے ہیں ہم۔'' اس روز اسے وہ ساری زیادتیاں یاد آئی تھیں جو اُن کے ساتھ ہوئی تھیں۔ وہ سارے دکھ جو انہوں نے اٹھائے تھے۔۔۔۔۔۔ وہ ظلم جو ماموؤں نے کیا تھا۔

''لیکن شکر کرو ثمر اللہ نے ہمیں تھام لیا، بچالیا، کچھ اور بھی تو ہوسکتا تھا۔ کچھ اس سے بھی بھیانک، تمہیں پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ میں اکیلی رہ گئی تھی۔ اگر خان بابا اچھے نہ ہوتے۔۔۔۔۔۔ اگر ان کے دل میں میرے لیے رحم نہ پیدا ہوتا تو میں کہاں ہوتی۔ اللہ نے مجھے محفوظ رکھا۔۔۔۔۔۔ میری عزت بچائی تو اللہ کا شکر ہے۔'' فرحی ڈر گئی تھی۔

''جو ہوگیا سو ہوگیا ثمر۔۔۔۔۔۔ اسے مت یاد کرو بس آئندہ کے لیے دعا کیا کرو کہ سب اچھا ہو۔''

اس نے فرحی کی بات سن لی تھی اور خاموش ہوگیا تھا لیکن دل کے اندر شکوے جاری تھے۔

''اگر یوں نہ ہوتا اللہ۔۔۔۔۔۔ یوں ہو جاتا تو۔۔۔۔۔۔''

اور فرحی اسے خاموش دیکھ کر اپنی اون سلائیاں لے آئی تھی۔۔۔۔۔۔ وہ چھوٹا سا سوئیٹر بُن رہی تھی۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ کتنے دنوں سے وہ اسے چھوٹی، چھوٹی ٹوپیاں اور سوئیٹر بنتے دیکھ رہا تھا۔ خالہ زیتون بھی ہر وقت مصروف نظر آتی تھیں۔ کبھی مشین کے آگے بیٹھی ہوتیں، کبھی سوئی دھاگا اور اون سلائیاں لیے ہوتیں کچھ دیر وہ اسے یوں ہی دلچسپی سے بُنتا دیکھتا رہا پھر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''سب کچھ بازار سے مل جاتا ہے فرحی۔۔۔۔۔۔ اتنے ڈھیروں اونی سیٹ تو لایا ہوں میں۔۔۔۔۔۔ کیوں تھکتی ہو، کل شاپنگ کے لیے چلتے ہیں جو کچھ اور لینا ہے لے آتے ہیں۔''

''نہیں، مجھے اپنے بچوں کے لیے اپنے ہاتھوں سے سوئیٹر بنانا اچھا لگتا ہے ثمر۔'' اس کے چہرے پر اس وقت ممتا کی الوہی روشنی تھی اور اس روشنی نے اس کے چہرے کو ایسا نکھار بخشا تھا کہ وہ مبہوت سا ہوکر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''میں نے خالہ سے سیکھا ہے بننا۔۔۔۔۔۔ مجھے تنگ نہیں آتی تھی لیکن میں نے سیکھ لی۔۔۔۔۔۔ بازار سے لائے گئے شاید اس سے خوب صورت ہوں گے ثمر لیکن ان میں ممتا کی وہ گرمی نہیں ہوگی جو ان میں ہوگی۔۔۔۔۔۔ ان میں میری ممتا کی گرمی اور محبت بھی شامل ہے۔''

اس نے نظریں اٹھائی تھیں اس کے ہاتھ ابھی تک اس کے ہاتھوں میں تھے۔ اور وہ وارفتگی سے اسے تک رہا تھا۔

''میری اماں بھی میرے لیے اپنے ہاتھ سے سوئیٹر بناتی تھیں فرحی۔۔۔۔۔۔ اور وہ مجھے بازاری جرسیوں اور سوئیٹروں سے زیادہ اچھے لگتے تھے۔ اور گرم بھی تم صحیح کہتی ہو ان میں ممتا کی گرمی بھی شامل ہوگی تب ہی تو۔'' اس کے اندر یکایک نرماہٹیں اتر آئی تھیں پچھلے چودہ سالوں میں اس کے اندر عجیب سی کرختگی اور سختی بھر گئی تھی لیکن اس وقت ایک دل پگھلا دینے والی کیفیت تھی جو اس کے اندر کی کرختگی کو نرمی میں بدل رہی تھی اسے لگا جیسے وہ پہلے والا ثمر حیات ہو۔۔۔۔۔۔ نرل اور گداز دل۔۔۔۔۔۔

اس نے آہستگی سے فرح کے ہاتھ چھوڑ دیے تھے۔

''اللہ کا شکر ہے فرحی کہ اس نے ہمیں اولاد کی نعمت سے نوازا اس نے ہمیں تھاما اور بچالیا۔''

اس نے کچھ دیر پہلے کہی گئی اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ اور فرحی کے لبوں پر ہی صرف مسکراہٹ نہیں آئی تھی بلکہ اس کی آنکھیں بھی جگمگا اٹھی تھیں۔

اور اس روز وہ بہت دیر تک جاگتا رہا تھا۔ فرحی کے سونے کے بعد بھی۔۔۔۔۔۔ اس نے گزرے چودہ سالوں اور

اس سے پہلے کے بیتے گئے سالوں کے ایک، ایک لمحے کو یاد کیا تھا۔ اس زندگی کا اس زندگی سے موازنہ کیا تھا......
اور سوچا تھا کہ انتخاب کا حق تو میرے پاس تھا۔ فرح صحیح کہتی ہے اور میں نے اپنے لیے خود اس راستے کو چنا تھا......
اور اب اس نے سوچا تھا صبح ہوتے ہی وہ جلیل خان کو فون کر کے پوچھے گا کہ وہ بنکاک سے کب آ رہا ہے..... اگر اسے دیر سے آنا ہے تو وہ خود ہی کارخانے کا سودا پکا کر کے بیانہ دے دے کہیں کوئی اور ہی نہ خرید لے۔ اب اگر بزنس اسٹارٹ کرنے کا ذہن بن گیا تھا تو پھر دیر نہیں کرنی چاہیے۔

وہ یونہی منصوبے بناتے، بناتے سویا ہی تھا کہ فون کی بیل سے آنکھ کھل گئی۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے سامنے کلاک کی طرف دیکھا تھا۔ تین بجنے والے تھے۔ فرحی نے کروٹ بدلی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور فوراً ہی بیڈ سائڈ ٹیبل پر پڑے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف شیر خان تھا۔

''خیریت شیر خان اس وقت؟'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''باس نے آج دو بجے کی فلائٹ سے آنا تھا بنکاک سے......''

''تو کیا ہوا......؟'' اس نے سوئی ہوئی فرحی پر نظر ڈالی تھی۔

''باس کو ائرپورٹ سے ہی پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔''

''کیوں......؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''پتا نہیں استاد...... ابھی تو کچھ پتا ہی نہیں چل رہا کہ وہ باس کو لے کر کہاں گئے ہیں...... صبح ہی وکیل سے بات کروں گا۔''

''او کے...... تم پریشان مت ہو شیر خان، میں کچھ دیر تک نکلتا ہوں لاہور کے لیے......''

فرحی اس کی باتوں کی آواز سے اٹھ بیٹھی تھی اور اب متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا ثمر......؟''

اور جب اس نے جلیل خان کی گرفتاری کا بتایا تو وہ رونے لگی تھی۔

''میں اسی دن سے ڈرتی تھی ثمر......''

گو وہ خود بھی پریشان تھا لیکن منہ اندھیرے ہی لاہور کے لیے روانہ ہو گیا تھا...... اور پھر دو تین روز بعد ہی اس کی جلیل خان سے ملاقات ہو سکی تھی۔ جلیل خان بہت مطمئن تھا۔ اسے پریشان دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''پریشان کیوں ہوتا ہے حیاتے...... یہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ بس ہڈی ڈالنے میں کوتاہی ہو گئی تھی۔ چھ سات روز میں باہر آ جاؤں گا۔ بس تو اتنی مہربانی کر کہ یہ چند دن یہاں لاہور میں گھر پر ہی رک جا...... جو لوگ آئیں ان سے ملنا اور...... کئی لوگوں کو ٹائم دے رکھا تھا اور جانتا ہے ناں تو اس طرح ساکھ خراب ہوتی ہے...... اور باقی کے کاموں کا تو سارا تجھے پتا ہی ہے ناں......''

اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اور فکر نہ کر باہر نکلتے ہی پہلا کام کارخانہ لینے کا کروں گا...... فرحی بٹی کیسی ہے، اسے سمجھا دینا۔''

اور وہ ایک ماہ پہلے جس گھر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا تھا اس میں پھر آ گیا تھا۔ وہ جلیل خان کو انکار نہیں کر سکتا تھا...... جلیل خان کے اس پر بہت احسان تھے۔ اس کے احسانوں کے بوجھ سے اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

''صرف چند دن کی بات ہے فرحی......'' گھر آ کر اس نے فرحی کو تسلی دی تھی...... لیکن اس وقت وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ چند دن کتنے سالوں پر محیط ہو جائیں گے۔

''تم اپنا بہت خیال رکھنا اور دو دن بعد تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے...... یاد ہے ناں...... اور جو ڈاکٹر نے

ڈیٹ بتائی تھی میں اس سے دو دن پہلے ہی آجاؤں گا بلکہ اگر جلیل خان آگئے تو میں اس سے بھی پہلے آجاؤں گا تم دعا کرنا..... یوں تو جلیل خان کے کافی تعلقات ہیں لوگوں سے پھر بھی وکیل کہہ رہا تھا کہ شاید کچھ دن لگ جائیں۔''

''وہ رہا تو ہو جائیں گے ناں ثمر..... انہیں سزا تو نہیں ہوگی ناں.....؟'' فرحی بہت پریشان ہو گئی تھی۔

''ہاں..... جلیل خان کہہ تو رہے ہیں کہ بس چند دن میں باہر ہوں گے..... وکیل فی الحال ضمانت کی کوشش کر رہا ہے۔'' اس نے پھر اسے تسلی دی تھی۔

لیکن جلیل خان چند دن تو کیا اگلے کئی مہینے تک باہر نہیں آسکا تھا..... اس دوران وہ دو پیارے، پیارے بچوں کا باپ بھی بن گیا تھا۔ ریحان اور روحان.....

''ہم نے کیا سوچا تھا ثمر کہ ہمارے بچے.....؟''

''اب بھی ایسا ہی ہوگا فرحی، ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ ہمارے بچے ایک مختلف ماحول میں پرورش پائیں گے..... میرا وعدہ ہے تم سے فرحی کہ جلیل خان آگئے تو میں پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا۔'' اس روز وہ خانیوال آیا تھا اور چاہتا تھا کہ فرحی اور بچوں کو اپنے ساتھ لاہور ہی لے جائے لیکن فرحی..... بہت مایوس اور دلگرفتہ تھی۔

''اتنے دن گزر گئے خان بابا ابھی تک باہر نہیں آسکے۔ ضمانت بھی نہیں ہوئی۔ ایسا کیا، کیا ہے انہوں نے؟''

''وکیل کوشش کر رہا ہے فرحی.....'' اس نے اس کے باقی سوال کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''پتا نہیں خان بابا کب آئیں گے اور اگر انہیں سزا ہو گئی اور اگر تمہیں بہت سارے دن وہاں رہنا پڑا تو.....؟'' خدشے اور خوف اس کے لفظوں سے ہی نہیں اس کی آنکھوں سے بھی جھلک رہے تھے۔ وہ بے حد مضطرب اور بے چین تھی۔

''ہم نے اپنے بچوں کے لیے جو خواب دیکھے تھے ثمر.....'' ایک بار پھر اس نے کہا تھا اور ایک بار پھر اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ ان کے خواب ضرور پورے ہوں گے۔ ان کے بچے وہی زندگی جئیں گے جن کے خواب فرحی دیکھتی ہے..... ایک نارمل اور عام لوگوں جیسی زندگی۔

''پہلے اور بات تھی، میں اور خالہ اکیلے تھے، اب یہ بچے ہیں تین دن پہلے ریحان کی طبیعت آدھی رات کو خراب ہو گئی تھی..... ہم دو عورتیں آدھی رات کو کیا کرتیں..... پتا نہیں کیسے رات گزاری..... اور صبح خالہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئیں۔''

''اسی لیے تو میں نے سوچا ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ لاہور ہی لے جاؤں گا۔ ہم اکٹھے وہاں ہی رہیں گے۔ میں بھی ان دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتا..... بہت یاد آتے ہیں۔'' اس نے فرحی کی گود میں لیٹے ریحان کے رخسار کو ہولے سے چھوا تھا۔

''لیکن میں لاہور نہیں جاؤں گی۔ مجھے اپنے بچوں کے ساتھ خان بابا کے گھر میں نہیں رہنا ثمر.....'' اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''وہ دنیا والوں کی نظر میں ایک بدمعاش کا گھر ہے..... اور میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے اس گھر میں رہیں۔''

''تھوڑے سے دنوں کی بات ہے فرحی.....'' اس نے سمجھایا تھا۔

''میں بچوں کے ساتھ تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا.....''

تھوڑے دنوں کے لیے بھی نہیں۔'' فرحی کا انداز حتمی تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''ہم الگ گھر کرائے پر لے لیں گے۔'' وہ فرحی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

''میں لاہور جانا ہی نہیں چاہتی ثمر......'' فرحی کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔
''وہاں میں کیسے خود کو روک پاؤں گی ثمر...... میرا جی چاہے گا میں اس گھر کو دیکھوں جہاں میں نے زندگی کے اتنے سال گزارے...... میں اپنے، ممی، ڈیڈی کی قبروں کی مٹی آنکھوں سے لگاؤں......'' اور وہ بلک، بلک کر رونے لگی تھی۔
لوگ کہتے ہیں وقت ہر زخم پر مرہم رکھ دیتا ہے لیکن اس کے زخم تو روزِ اوّل کی طرح تھے اور ان سے خون رستا تھا۔
''ٹھیک ہے......'' اس نے فرحی کو گلے لگایا تھا...... تسلی دی تھی۔
''جلیل خان باہر آجائیں تو ہم لاہور نہیں جائیں گے۔ کسی اور شہر میں جا بسیں گے۔'' وہ مرد تھا پھر بھی کئی بار اس کا دل ان گلیوں میں جانے کو مچلتا تھا جہاں کھیل کود کر وہ بڑا ہوا تھا۔ اس گھر کو دیکھنے کے لیے مچلتا جہاں اس کا بچپن، لڑکپن اور جوانی کا بہت سا حصہ گزرا تھا۔ کیسے، کیسے اس نے اپنے دل پر پتھر رکھے تھے۔ اور فرحی تو......
اور وہ اسے بہت ساری تسلیاں اور دلاسے دے کر آگیا تھا...... اور یہ تسلیاں اور دلاسے اسے بھی اگلے کئی سال تک دینے تھے۔ وہ ہفتے میں دو چکر خانیوال کے لگاتا تھا۔
جلیل خان نے بہت سارے بکھیڑے پال رکھے تھے اور وہ مستقل خانیوال نہیں رہ سکتا تھا۔
یہ صرف ہڈی ڈالنے کی بات نہیں تھی۔ معاملہ کچھ اور بھی تھا۔ جلیل خان کے خلاف بہت مضبوط کیس بنایا گیا تھا۔ ڈوریاں کہیں اوپر سے ہلی تھیں اور جلیل خان کو پانچ سال کی سزا ہوگئی تھی...... قتل کے کیس میں بھی ہوشیار وکیل ضمانت کروالیتے ہیں یہاں تو محض اسمگلنگ کا جرم تھا۔ اور بھلا اتنی جلدی فیصلے کب ہوتے ہیں۔ مہینوں عدالتوں میں کیس چلتا ہے...... پیشیاں ہوتی ہیں اور یہاں تو چھ ماہ کے اندر، اندر سزا بھی ہوگئی تھی۔ وہ بے حد دلگرفتہ اور دل شکستہ سا خانیوال آیا تھا۔ اسے فرحی کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی ہو رہی تھی کیونکہ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے جلیل خان کے باہر آنے تک اس کی نمائندگی کرنی ہے...... جلیل خان برا تھا، اسمگلر تھا، غنڈا تھا لیکن بہت سارے لوگوں کے لیے اچھا بھی تھا۔ محلے میں کئی گھر ایسے تھے جو صرف جلیل خان کی وجہ سے خود کو محفوظ سمجھتے تھے۔ جلیل خان کے گھر تالا لگنے کا مطلب تھا کہ وہ غیر محفوظ ہوگئے۔
''پچھلی گلی میں ایک بیوہ عورت اپنی تین جوان بچیوں کے ساتھ رہتی ہے...... تمہیں ان کا خاص خیال رکھنا ہے ثمر...... لڑکیاں جوان ہوں، خوب صورت ہوں اور سر پر کوئی سائبان نہ ہو تو بہت سوں کی رال ٹپک پڑتی ہے۔ میں نے بیگم عبدالغفور سے وعدہ کیا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی ان کے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا اور ثمر تمہیں میرے وعدے کی لاج رکھنی ہے۔ اگر کسی کو میری گرفتاری اور سزا کی بھنک پڑ گئی تو......'' جلیل خان نے گرفتار ہونے کے بعد اس سے پہلی ملاقات میں کہا تھا اور اب تو اسے سزا ہوگئی تھی اور اس نے جلیل خان کی جگہ سنبھالنی تھی۔ جلیل خان بھی یہی چاہتا تھا گو اس نے زبان سے نہیں کہا تھا اور اسے زبان سے کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، وہ جانتا تھا کہ ثمر حیات بہت خوش اسلوبی سے اس کے حصے کا کام سنبھالے ہوئے ہے اور آئندہ بھی سنبھال لے گا...... لیکن فرحی وہ اسے قبول کرے گی بھی یا نہیں...... وہ تو گن، گن کر دن گزار رہی تھی کہ جلیل خان کے آتے ہی وہ جلیل خان کی زندگی سے نکل جائیں گے۔ دور کہیں کسی اور شہر میں...... ہوزری کا کارخانہ بک گیا تھا اور نہ بھی بکتا تب بھی فرحی فیصلہ کر چکی تھی کہ ایک بار وہ جلیل خان کی زندگی سے نکل گئے تو وہ پھر کبھی مڑ کر نہیں دیکھیں گے۔ بھلے جلیل خان انہیں احسان فراموش کہیں، وہ اپنے بچوں کے لیے سب کچھ سننے کو تیار تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ جلیل خان کے لیے اس کے دل میں احترام تھا...... وہ ایک بیٹی کی طرح ہی اس سے محبت کرنے لگی تھی اور جلیل خان نے

بھی ایک باپ کی شفقت دی تھی اسے لیکن وہ کیا کرتی، وہ اپنے بچوں کے لیے ایک صاف ستھرا پاکیزہ ماحول چاہتی تھی وہ ان کے ساتھ کوئی ایسا حوالہ نہیں چاہتی تھی جن پر انہیں کبھی شرمندگی ہو اور اپنے ان خیالات کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً ثمر حیات کے سامنے بھی کرتی رہتی تھی سو ثمر حیات سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھا لفظوں کی تلاش میں اپنے اندر بھٹک رہا تھا جب اس نے ریحان کے کپڑے تبدیل کرتے، کرتے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے ثمر تم کچھ پریشان ہو؟''

''ہاں......'' وہ چونکا تھا۔

''جلیل خان کو سزا ہوگئی ہے پانچ سال کی......'' اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے تھے اور وہ پھر مصروف ہوگئی تھی......اس نے کچھ کہا نہیں تھا لیکن اس کی آنکھیں اسے منجمد سمندروں کی طرح لگی تھیں۔

اور پھر ریحان کو تیار کر کے بیڈ پر لٹا کر تھپک، تھپک کر سلانے لگی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے اس نے سنا نہیں۔

''جلیل خان کو سزا ہوگئی ہے فرحی......''

اس نے دُہرایا تھا...... ریحان کو تھپکتے، تھپکتے اس نے بس ایک نظر ثمر حیات کی طرف دیکھا تھا۔

''تم کچھ کہوگی نہیں پوچھوگی نہیں......'' اس کی خاموشی سے وہ الجھ رہا تھا۔

''کیا کہوں اور کیا پوچھوں......؟''

برفیلی سطح کے نیچے جیسے پانی زور مارنے لگا تھا اور برف کی تہ جگہ، جگہ سے تڑخ رہی تھی۔

''چند دن، مہینوں اور اب سالوں پر محیط ہوگئے ہیں ثمر...... جانتی ہوں تم نے خود کو جلیل خان کا قائم مقام بنا لیا ہے۔''

''فرحی بہت مجبور ہوں، کتنی بھی کوشش کروں خود غرض نہیں ہو سکتا......اس شخص کا ہاتھ نہیں چھوڑ سکتا جس نے بے حد مشکل لمحوں میں میرا ہاتھ تھاما تھا۔ فرح بس چند سال کی بات ہے......پانچ سال کا مطلب پانچ سال نہیں ہے......دن رات شمار ہوں گے اور پھر سزا میں تخفیف بھی ہوتی رہتی ہے۔''

پتا نہیں وہ خود کو تسلی دے رہا تھا یا اسے۔ فرحی نے کچھ نہیں کہا تھا بس بیڈ پر پڑا چھوٹا کمبل اٹھا کر ریحان پر ڈالا تھا جو سو گیا تھا۔

''تم یہاں رہوگی خانیوال اور میں جو زندگی گزار رہا ہوں اس کا سایہ تک بچوں پر نہیں پڑے گا فرح......میرا یقین کرو......''

''مجھے تم پر یقین ہے ثمر لیکن......'' بات ادھوری چھوڑ کر فرحی دروازے کی طرف بڑھی تھی اور زیتون خالہ کو آواز دینے لگی تھی۔

''خالہ روحان سو گیا ہے تو اسے اِدھر لٹا جائیں۔''

''لیکن کیا فرحی......؟'' اس نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

''لیکن...... تقدیر سے ڈر لگتا ہے، میں نے تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کی چاہ کی...... میں تمہارے سنگ زندگی گزار رہی ہوں لیکن کس قیمت پر...... میں نے چاہا کہ میرے بچے وہ زندگی نہ گزاریں جس زندگی میں ان کا باپ حادثاتی طور پر آگیا ہے تو پتا نہیں اس چاہت کا کیا انجام ہوگا...... میں اپنی تقدیر بدلنے کی قدرت نہیں رکھتی ثمر اور نہ ہی اپنے بچوں کی...... میں نے خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے جو ہو سو ہو......''

''اتنی مایوسی فرحی......؟'' اس نے بہت دل شکستگی سے فرح کو دیکھا تھا۔

''پتا نہیں یہ مایوسی ہے یا صبر...... شکر ہے یا قناعت، یقین ہے یا بے یقینی......'' فرحی نے ایک گہری سانس لے

کرزیتون خالہ سے روحان کو لے کر بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ وہ ساکت بیٹھا تھا۔ اور گاہے گاہے نظر اٹھا کر فرحی کو دیکھ لیتا تھا جو بیڈ پر بچوں کے پاس ہی نیم دراز ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن پلکوں میں کبھی کبھی لرزش ہوتی تھی اس کا ایک ہاتھ بچوں پر تھا اور دوسرا بازو سر کے نیچے تھا۔ وقت نے اس کے چہرے کی شوخی اور آنکھوں کی شریر چمک چھین لی تھی...... اب وہاں سنجیدگی تھی، ایسی سنجیدگی جس میں بلا کا سوز تھا۔ ایک پگھلا دینے والی کیفیت تھی۔ اور یہ سوز، یہ کیفیت پچھلے چودہ سال سے وہ اس کے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ اس کے اپنے چہرے کی سنجیدگی میں ایک پتھریلا پن تھا۔ پتھروں جیسی سخت بے مہری تھی۔ وقت نے اس کے چہرے کو پتھر کر دیا تھا لیکن اس کا دل تو ویسا ہی تھا۔ گداز، نرم وہ زیادہ دیر تک فرحی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ جب بھی اس کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا تو اس کا دل پگھل کر پانی ہونے لگتا تھا۔ اس نے فرحی کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ساتھ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اور اپنا دایاں بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''آئی ایم سوری...... فرحی......'' فرحی نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اس کی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے، لمحے بھر بعد اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیا تھا۔

''میں دو تین دن تک لاہور جاؤں گا۔ وکیل نے کہا تھا کہ وہ جلیل خان سے ملاقات کا بندوبست کر دے گا۔ پھر پتا نہیں وہ اسے لاہور میں رکھیں گے یا کہیں اور بھیج دیں گے۔ میں جلیل خان کو بتا دوں گا کہ میں......'' بات ادھوری چھوڑ کر اس نے فرحی کی بند آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو بائیں ہاتھ سے پونچھا۔

''اور تم جہاں کہو گی فرحی ہم وہاں چلے جائیں گے۔'' وہ ایک بار پھر اس سے وعدہ کر رہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ وہ اپنا وعدہ پورا بھی کر سکے گا یا نہیں...... فرحی کے آنسو اور زیادہ تیزی سے بہنے لگے تھے اور اس کے دل پر جیسے کوئی بوجھ آ گرا تھا۔ پتا نہیں یہ بوجھ کیسا تھا، کیوں تھا...... وہ جلیل خان سے کیا کہے گا نہیں جانتا تھا۔ جلیل خان کا ردعمل کیا ہوگا...... وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا۔

کیا وہ جلیل خان کو کچھ بھی بتائے بغیر خاموشی سے فرحی کے ساتھ کہیں چلا جائے...... اور اس صورت میں یہ بوجھ جو اس کے دل پر اچانک آ گرا تھا یونہی دھرا رہے گا۔

اگلے دو دن فرحی کے اور اس کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی...... نہ فرحی نے کچھ کہا تھا نہ اس نے کوئی بات کی تھی...... حالانکہ وہ فرحی سے بات کرنا چاہتا تھا، پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جا کر سیٹل ہوں گے...... لیکن ان کے درمیان گفتگو کا موضوع زیادہ تر بچوں کی بیماری رہی تھی خصوصاً ریحان کی...... گو وہ دونوں صحت مند تھے لیکن روحان سرخ و سپید تھا جبکہ ریحان کا رنگ زرد تھا اور وہ اکثر بیمار ہو جاتا تھا۔

''میرا خیال ہے اس بار میں لاہور جاؤں گا تو کسی چائلڈ اسپیشلسٹ سے ٹائم لے لوں گا۔'' اس نے فرحی سے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے......'' فرحی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ''ویسے تو یہاں میں نے ڈاکٹر سے چیک کروا لیا ہے لیکن پھر بھی اپنی تسلی کے لیے لاہور سے چیک کروا لیتے ہیں کسی اسپیشلسٹ سے......''

''میں جلیل خان سے مل کر اسے لاہور لے جاؤں گا۔'' اس نے فرحی سے کہا تو فرحی نے پوچھا تھا کہ اسے کب ملنے جانا ہے۔

''پتا نہیں، مجھے وکیل کے فون کا انتظار ہے۔ اس نے کہا تھا وہ دو تین روز میں ملاقات کا بندوبست کر دے گا۔'' اس نے فرحی کو بتایا تھا اور اگلے روز ہی وکیل کا فون آ گیا تھا کہ اس نے ملاقات کا بندوبست کر دیا ہے۔ جلیل خان کو جیل میں کافی سہولتیں حاصل تھیں۔ جیلر سے اس کی پرانی یاری تھی جب بھی وہ جلیل خان سے ملاقات کرنے

جاتا ایک الگ کمرے میں بہت آرام وسکون سے وہ جب تک چاہتے بات کرتے تھے۔

''مجھے صبح جلیل خان سے ملنے لاہور جانا ہے۔'' اس نے رات سونے سے پہلے فرحی کو بتایا تھا۔ روحان کو تھپکتے ہوئے اس کے ہاتھ لحظہ بھر کو تھمے تھے۔

''یہ گھر جلیل خان کا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ جلیل خان کو اپنا فیصلہ سنانے کے بعد ہمیں مزید یہاں رہنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے مجھے لاہور میں تین، چار دن لگ جائیں، تم اپنے استعمال کی ضروری چیزیں پیک کر لینا...... لاہور سے آتے ہی ہم یہاں سے چلے جائیں گے...... عارضی طور پر پہلے ہم فیصل آباد جائیں گے، وہاں ہوزری کی فیکٹری کے سلسلے میں تین چار بار جانا ہوا تو کچھ لوگوں سے اچھی دعا سلام ہوگئی تھی۔ ان کے ذریعے کوئی گھر کرائے پر لے لیں گے۔ پھر وہاں بیٹھ کر سکون سے آئندہ کا لائحہ عمل طے کریں گے۔ تم خالہ سے پوچھ لینا اگر وہ ہمارے ساتھ جانا چاہیں تو......''

فرحی نے اس کی پوری بات سنی تھی لیکن نہ اس کی تائید کی تھی نہ تبصرہ کیا تھا بلکہ ذرا سا رخ موڑے روحان کو تھپکتی رہی تھی جس کا سونے کا قطعی موڈ نہیں لگ رہا تھا۔

''ہم ہمیشہ فیصل آباد نہیں رہیں گے۔'' ذرا سے توقف کے بعد اس نے پھر کہا تھا۔

''بلکہ تم جہاں کہوگی ہم وہاں ہی سیٹل ہوں گے یہ تو بس عارضی طور پر ہوگا...... ہم ایک چھوٹا سا اسٹور کھول کر بھی کام کا آغاز کرسکتے ہیں۔'' اس نے جیسے فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے مزید جلیل خان کے ساتھ نہیں رہنا...... بات مکمل کر کے اس نے فرحی کی طرف دیکھا تھا لیکن اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ اٹھ کر صحن میں چلا آیا تھا۔ اوپر آسمان تاروں سے بھرا تھا۔ خانیوال کے اس گھر سے آسمان نظر آتا تھا وہ اکثر صحن میں چارپائی پر لیٹ کر آسمان کو تکتا رہتا تھا۔ لاہور والے گھر کے صحن سے بھی تو آسمان یوں ہی نظر آتا تھا۔ وہ چارپائی پر لیٹ کر اکثر تاروں کو تکتے، تکتے وہاں صحن میں ہی سو جاتا تھا آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ صحن میں پڑی چارپائی پر لیٹ گیا تھا اور اوپر جگمگاتے تاروں کو دیکھتے، لاہور والے گھر اور اماں، ابا کو یاد کرتے ہوئے جانے کب سو گیا تھا۔ صبح اذان کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی اس کا دل اب بھی بہت بوجھل تھا۔ وہ خاموشی سے چارپائی پر لیٹے فرحی کو کچن میں جاتے اور بچوں کے لیے فیڈر تیار کرتے کمرے میں لے جاتے اور پھر برآمدے میں نماز پڑھتے دیکھتا رہا۔ نماز کے بعد فرحی نے صحن میں آکر پوچھا تھا۔

''کب لاہور جانا ہے؟''

''نو بجے تک نکل جاؤں گا۔'' فرحی کو جواب دے کر اس نے پھر آنکھیں موند لی تھیں۔ اور دل ہی دل میں وہ لفظ ترتیب دینے لگا تھا جو اسے جلیل خان کو کہنے تھے۔ وہ احسان فراموش نہیں کہلوانا چاہتا تھا لیکن وہ فرحی کی آنکھوں میں آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی خاموشی جیسے اب بھی اس کے دل پر ضربیں لگا رہی تھی۔ وہ یونہی آنکھیں موندے جملے سوچتا اور رد کرتا رہا اور جب دھوپ صحن میں اتر کر آنکھوں میں چبھنے لگی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور جب تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا تو ناشتا برآمدے میں بچھی گول ٹیبل پر لگا ہوا تھا۔ وہ جب خانیوال والے اس گھر میں ہوتا تو وہ تینوں فرحی، خالہ زیتون اور وہ ناشتا کھانا سب اکٹھا یہاں ہی برآمدے میں اسی ٹیبل کے گرد بیٹھ کر کرتے تھے لیکن آج وہ اکیلا تھا اس نے فرحی کو آواز دی تو اس نے کمرے سے ہی جواب دیا تھا کہ وہ اور خالہ ناشتا کر چکے ہیں۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ انہوں نے اس سے پہلے ہی ناشتا کرلیا وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔ شاید فرحی کو اس کی بات کا یقین نہیں ہے اور شاید وہ اس سے کچھ ناراض ہے لیکن اسے ابھی لاہور کے لیے نکلنا تھا اس لیے وہ ناشتا کرنے لگا تھا اور جب وہ تھرماس میں سے اپنے لیے چائے نکال رہا تھا تو فرحی بھی چادر اوڑھے کمرے سے نکل آئی تھی وہ کہیں

جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

''تم کہیں جارہی ہو فرحی؟'' اس نے بے حد حیرت سے پوچھا تھا۔

''مجھے بھی تمہارے ساتھ جانا ہے ثمر......''

''کیوں......؟'' اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

''خان بابا سے ملنے......''

''لیکن تم نے تو رات کو ذکر نہیں کیا تھا۔''

''تم باہر آکر سو گئے تھے تو میں نے جگایا نہیں......'' اس نے فرحی سے مزید سوال نہیں کیے تھے اور چائے پینے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرحی، جلیل خان سے ایک بیٹی کی طرح ہی محبت کرتی ہے اور اس کی سزا کا سن کر اس کا جذباتی ہو کر اس سے ملنے کے لیے جانا فطری تھا۔ اس کا اپنا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جب وہ جلیل خان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرے گا تو اس کا کیا ردِعمل ہوگا...... اسے اپنے دل پر ایک نا معلوم سا بوجھ دھرا محسوس ہو رہا تھا تاہم وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ لاہور کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ دورانِ سفر بھی ان کے درمیان کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں بچوں کے متعلق چند باتیں ہوئی تھیں۔ لاہور پہنچ کر انہیں گھر چھوڑ کر وہ وکیل سے ملنے چلا گیا تھا۔ ملاقات کا وقت اگلے روز دس بجے تھا، واپسی پر وہ ڈاکٹر سے ٹائم لیتا آیا تھا اور پھر رات وہ فرحی اور ریحان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔ خانیوال والے ڈاکٹر کی طرح اس نے بھی یقین دلایا تھا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں...... ریحان کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے باوجود اس کی رات بہت بے چین اور مضطرب گزری تھی۔ اس نے فرحی کو بھی کروٹیں بدلتے ہوئے دیکھا تھا۔ یقیناً وہ بھی بے چین تھی کیونکہ یہ وہی بیڈ روم تھا جس میں جلیل خان نے پہلی بار انہیں ٹھہرایا تھا۔

صبح جب وہ سو کر اٹھا تو نہ صرف فرحی تیار تھی بلکہ اس نے بچوں کو بھی تیار کر رکھا تھا۔ وہ ناشتا کر کے اٹھا تو خالہ زیتون بچوں کو لے آئی۔ فرحی نے روحان کو اس کی طرف بڑھا دیا۔

''کیا مطلب تم بچوں کو بھی ساتھ لے کر جاؤ گی۔'' اس نے روحان کو گود میں لیتے ہوئے حیرت سے پوچھا تھا۔

''ہاں، میں چاہتی ہوں خان بابا ایک بار اپنے نواسوں سے مل لیں۔ فرحی کے چہرے پر وہی سوز بھری سنجیدگی تھی جو اسے پگھلا کر پانی کر دیتی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ مختلف مراحل سے گزر کر وہ اسی مخصوص کمرے میں آئے تھے۔ آج جلیل خان پہلے سے ہی کمرے میں موجود اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

''خان بابا......'' فرحی نے پہلے اندر قدم رکھا تھا۔

''ارے تم فرحی بیٹی......'' جلیل خان حیران رہ گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر فرحی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''خان بابا آپ کو سزا ہو گئی ہے۔'' فرحی کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

''اوئے، اوئے پاگل نہ ہو تو، رو کیوں رہی ہے۔ یوں گزر جائیں گے یہ سال......''

اس نے چٹکی بجائی تھی لیکن فرحی کے آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔

''جھلی دھی......'' (بیٹی) جلیل خان اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''میں کوئی پہلی بار اِدھر تھوڑا ہی آیا ہوں، پہلے بھی دو بار آچکا ہوں۔ اِدھر سب اپنے ہیں، بہت خیال رکھتے ہیں، کچھ نہیں ہوگا بس اب چپ کر جا نہ رو......''

''ایسا تو ہونا ہی تھا خان بابا...... ایسے کاموں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔''

''اوئے کیسے کام چھلیے...... (پاگل) یہ تو اس (گالی دے کر) کی شرارت ہے۔ اس بڑے سیاست دان سے پنگا لے بیٹھا تھا۔ خیر باہر نکل کر میں بھی دیکھ لوں گا اسے۔''

''نہیں خان بابا باہر آ کر آپ کچھ نہیں کریں گے، یہ سب چھوڑ دیں گے۔ ہمارے ساتھ چلیں گے۔ ہمارے پاس رہیں گے ثمر کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیں گے۔''

''اوئے...... ہاں تیری اس ہوزری فیکٹری کا کیا بنا حیاتے......'' جلیل خان نے فرحی کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پہلی بار دروازے کے قریب بچوں کا stroller تھامے کھڑے ثمر حیات کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کی نظر بچوں پر پڑی تھی وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا تھا۔

''یہ......''

''آپ کے نواسے ہیں خان بابا......'' فرحی نے آگے بڑھ کر بیلٹ کھولی تھی۔ اور باری، باری اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''آپ سے ملوانے لائی ہوں۔''

''یہ تم نے اچھا کیا......''

جلیل خان نے دونوں بچوں کو دبوچ لیا تھا۔

''لو بچوں کا نانا چار، پانچ ماہ بعد بچوں کو دیکھ رہا ہے۔'' وہ انہیں چوم رہا تھا۔ اس کی بڑھی ہوئی شیو کے بال بچوں کو چبھے تو وہ کسمسائے اور پھر رونے لگے۔

فرحی نے انہیں جلیل خان سے لے کر پھر stroller میں لٹا دیا تھا۔ وہ تھوڑا سا بسور کر پھر سو گئے تھے۔ فرحی نے وہاں سے ہی بات شروع کر دی تھی جہاں سے ختم کی تھی۔

''خان بابا! میں نے سوچا ہم ایبٹ آباد میں رہیں گے...... بہت خوب صورت جگہ ہے۔ میں دو تین بار وہاں گئی تھی۔ میری ایک دوست کا گھر وہاں ہی تھا۔ آپ کو ایبٹ آباد پسند آئے گا...... ثمر کا ارادہ اسٹور کھولنے کا ہے اور......''

''میں...... میں کیسے......'' جلیل خان ٹپٹایا تھا۔

''میرے اِدھر سب بکھیڑے ہیں، تم اور ثمر چلے جانا...... میں کبھی کبھار ملنے آجایا کروں گا۔ یہاں جیل کے اندر سے بھی میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں بہت سورسز ہیں میرے...... میں اپنے وعدے پر قائم ہوں، میں تمہیں روکوں گا نہیں...... میرا خیال تھا چند دن کی بات ہے اس لیے ثمر حیات کو روکا تھا لیکن اب......'' اس نے ثمر حیات کی طرف دیکھا تھا۔

''دو تین روز تک کراچی سے ممتاز خان کو بلوا لوں گا۔ نیا لڑکا ہے لیکن مخلص اور وفادار ہے...... تم اسے سمجھا دینا اور......''

''لیکن خان بابا...... ہم آپ کے بغیر کہیں نہیں جائیں گے۔'' فرحی نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

''میرے بچوں کے پاس کوئی رشتہ نہیں ہے، بس آپ ہیں...... میں چاہتی ہوں جب میرے بچے بڑے ہوں تو ان کا نانا ان کے پاس ہو...... کوئی ایک رشتہ تو ہو...... وہ اپنے نانا کی گود کی گرمی محسوس کریں...... ان کی انگلی پکڑ کر پہلی بار اسکول اور مسجد جائیں۔'' اب وہ پھر رو رہی تھی اور روتے، روتے اپنے سارے خواب جلیل خان سے شیئر کر رہی تھی جو بچوں کی پیدائش سے پہلے سے لے کر جلیل خان کی گرفتاری تک اس سے شیئر کرتی رہی تھی۔

''آپ نے مجھے بیٹی کہا لیکن سمجھا نہیں خان بابا......'' اس کے لہجے میں ہی شکوہ نہیں تھا بلکہ اس کا پورا وجود شکوہ بنا ہوا تھا۔

''کیسے نہیں سمجھا......'' جلیل خان جھلایا ہوا کبھی اسے اور کبھی ثمر حیات کو دیکھ رہا تھا۔

''کہہ تو رہا ہوں تم لوگ اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارو، اپنے وعدے سے تھوڑی مکرا ہوں میں، وہ تو یہ پھڈا پڑ گیا ورنہ اب تک ثمر حیات اپنا کام شروع کر چکا ہوتا۔''

''نہیں سمجھا ناں خان بابا...... اگر یہ سگے ہوتے تو آپ کبھی نہ چاہتے کہ یہ بڑے ہو کر اسمگلر یا غنڈے بنیں۔ لیکن یہ سگے نہیں ہیں ناں تو اب یہ اسمگلر اور غنڈے ہی بنیں گے۔''

''اوئے ہوئے حیاتے، دیکھ میں نے کچھ ایسا کہا، کہہ تو رہا ہوں...... کہ تم لوگ......''

''لیکن ہم آپ کے بغیر نئی زندگی شروع نہیں کریں گے۔'' فرحی نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''بھلے ثمر حیات سرحد پر گولی کا نشانہ بن جائے...... عمر بھر کے لیے جیل میں چلا جائے...... ریحان اور روحان اسمگلر، ڈاکو کچھ بھی بن جائیں۔''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی...... آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں مچلے تھے۔

''اچھا خان بابا خدا حافظ......''

جلیل خان ساکت کھڑا تھا۔ اور وہ اب...... زار و قطار رو رہی تھی۔

''نہ رو...... بس کرو اب، ٹھیک ہے رہا ہو کر وہی کروں گا جو تم کہو گی، باہر تو آ جاؤں......'' جلیل خان جیسے بے بس ہو کر بولا تھا۔

''لیکن یہ سب اتنی جلدی نہیں ہو سکے گا ہمارے ہاں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کڑیے......'' (لڑکی)

''تو ثمر آپ کے رہا ہونے تک آپ کے گھر پر ہی رکیں گے؟'' فرحی آنسو پونچھ کر اب پھر آئندہ کے پروگرام بنانے لگی تھی، وہ خاموش کھڑا تھا۔ جلیل خان اور فرحی کے درمیان وعدے ہو رہے تھے، پیمان کیے جا رہے تھے...... پھر وہ اس کی طرف دیکھ کر ہنسا تھا۔

''سیانے صحیح کہتے ہیں حیاتے، عورت کے آنسوؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے...... سلطنتیں الٹ دیتے ہیں یہ آنسو......'' وہ ہولے سے ہنسا تھا اور جھپٹ کر بچوں کو اٹھایا تھا، چوما تھا، گدگدایا تھا اور اس کی شیو کے بالوں نے انہیں پھر رلا دیا تھا اور اسے اپنے سینے سے بوجھ سرکتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔ اس نے ممنون نظروں سے فرحی کو دیکھا تھا...... وہ احسان فراموش نہیں کہلوانا چاہتا تھا اور فرحی نے ناممکن کو ممکن کر دیا تھا۔

''دو چار روز تک ایک ملاقات کا پھر بندوبست کرنا ثمر حیات بہت سے معاملات سمجھانے اور سمجھنے والے ہیں۔ اور ہاں ایبٹ آباد میں ایک اچھا سا گھر ضرور دیکھ لینا۔'' رخصت ہوتے ہوئے جلیل خان ہنسا تھا۔

''آپ رہا ہو کر آ جائیں تو ہم گھر بھی دیکھ لیں گے خان بابا......'' فرحی کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس روز اس پر فرحی کی اس خوبی کا پہلی بار ادراک ہوا تھا کہ وہ اپنی بات منوانے کی طاقت رکھتی ہے۔ شاید ہر عورت میں یہ طاقت ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہر عورت اپنی بات نہیں منواتی۔

اس روز وہ فرحی کو چھوڑ کر واپس لاہور آیا تو بہت مطمئن تھا جلیل خان جب سے جیل گیا تھا یہ پہلی رات تھی کہ وہ بہت پُر سکون اور گہری نیند سویا تھا۔

اسے جلیل خان کے رہا ہونے تک سب کام سنبھالنے تھے اور پھر جلیل خان کے رہا ہوتے ہی انہیں یہاں سے چلے جانا تھا۔ فرحی نے آتے ہوئے کہا تھا۔

''خان بابا کے رہا ہونے سے کچھ پہلے ہی تم ایبٹ آباد میں گھر خرید لینا اور باقی سب بھی طے کر لینا۔'' فرحی کی ہدایت پر وہ مسکرایا تھا اور سر خم کیا تھا۔

''اوکے میم......''

ابھی تاریکی تھی لیکن دور روشنی کی ایک کرن چمک رہی تھی...... ایک گھر، بچے، فرحی اور ہر ٹینشن سے پاک پُرسکون زندگی...... ساری رات وہ خواب دیکھتا رہا تھا صبح اس کی آنکھ دروازے پر ہونے والی دستک سے ہی کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا سامنے کلاک پر نظر پڑی تو دس بج رہے تھے۔

وہ تیزی سے بیڈ سے اترا تھا...... دروازے پر شیر خان تھا۔

''ایک خاتون آئی ہے، دادا سے ملنے کو کہتی ہے میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔''

اس کا ذہن فوراً بیگم عبدالغفور کی طرف گیا تھا اگرچہ اس نے دلدار کی ڈیوٹی لگادی تھی کہ ان کی خیر خبر لیتا رہے اور کوئی پرابلم ہو تو اسے بتائے...... وہ جلدی سے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔ سیاہ ریشمی برقع کا نقاب پیچھے کیے وہ بالکل سامنے ہی بیٹھی تھی اس کا رنگ بہت گورا تھا۔ گول چہرہ موٹے، موٹے ہونٹ، بڑی، بڑی آنکھیں عمر اندازاً چالیس، پینتالیس سال کے لگ بھگ ہوگی وہ بیگم عبدالغفور نہیں تھی پھر کون تھی۔ سوچتے ہوئے اس نے سلام کیا تھا۔

''مجھے خان دادا سے ملنا ہے۔'' سلام کا جواب دے کر اس نے کہا تھا۔

''دادا تو ملک سے باہر ہیں۔'' خاتون کے چہرے پر مایوسی نظر آنے لگی تھی۔

''آپ کو جو بھی مسئلہ ہے مجھے بتائیں، میں یہاں دادا کی جگہ پر اسی لیے بیٹھا ہوں کہ ان کے حصے کے کام نبٹاؤں......'' خاتون نے پہلی بار غور سے اسے دیکھا تھا۔

''ہم ایک بڑی مصیبت میں پڑ گئے ہیں اور صرف خان دادا ہی ہمیں اس مصیبت سے نکال سکتے ہیں۔''

''آپ بتائیں تو خاتون کیا مسئلہ ہے؟'' وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا تھا۔ ''پھر مسئلے کا حل بھی نکال لیں گے۔''

''میں...... شاہجہان ہوں، شاہجہان بیگم...... شاہی محلے میں میرا چوبارہ سب سے بڑا ہے۔''

ٹرن ٹرن فون کی بیل مسلسل ہورہی تھی۔ اس نے یک دم چونک کر پاس پڑا اپنا سیل اٹھایا۔ اسکرین پر ممتاز خان کا نام چمک رہا تھا۔

''ہاں ممتاز...... کیا بات ہے کہو......'' اس نے سر جھٹک کر فون آن کیا...... ذہن ابھی تک ماضی کی بھول بھلیوں میں الجھا ہوا تھا۔

''عظام صاحب آئے تھے کل......''

''کیوں، کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ یک دم الرٹ ہوا تھا۔

''آپ کا پوچھ رہے تھے کہ کہاں ہیں...... کب آئیں گے؟''

''اداس ہوگیا ہوگا۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔

''کچھ پریشان سے بھی لگتے تھے۔''

''اوہ......'' وہ مضطرب سا ہوگیا تھا۔

''کیا...... کچھ کہا تھا، تمہیں کیسے لگا کہ وہ پریشان ہے؟''

''کہہ رہے تھے کہ اگر آپ کا فون آئے تو پیغام دے دوں کہ آپ انہیں فون کرلیں...... بہت ضروری بات کرنی ہے انہیں۔''

''اچھا ایسا کہا اس نے؟'' اس کے اضطراب میں اضافہ ہوا تھا۔

''آج رات تک بابر سے بات کر کے میں کل صبح کسی وقت گھر آجاؤں گا۔'' فون بند کر کے اس نے پھر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن اب وہ عظام کے متعلق سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

ایمل دونوں ہاتھ گود میں رکھے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی بیٹھی تھی۔

''نہیں، یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''ضرور ہمدانی صاحب کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' ہمدانی صاحب اپنے کسی کام کے سلسلے میں کراچی آئے ہوئے تھے اور انہیں کچھ کاغذات پر ایمل کے دستخط بھی کروانے تھے۔ ایمل کو فون کرنے کے بعد وہ گھر آئے تھے۔ بابر آفس جا چکا تھا جس پر ہمدانی صاحب نے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

''یہ اچھی بات ہے کہ بابر صاحب اس وقت گھر پر نہیں ہیں، ہم اطمینان اور سکون سے بات کر سکیں گے۔'' وہ ہمدانی صاحب کی بات پر حیران تو ہوئی تھی لیکن اس نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا...... اور ان کاغذات کے متعلق دریافت کرنے لگی تھی جس پر اس نے دستخط کرنے تھے۔

''ہم بہت جلد لاہور شفٹ ہو جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ میں بابر کو اتھارٹی لیٹر دے دوں...... وہ میرے مقابلے میں بزنس کے معاملات کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔''

''ایسا غضب مت کرنا بیٹی......'' ہمدانی صاحب کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

''کیوں......؟''

''دراصل کرنل صاحب کو بابر پر ٹرسٹ نہیں تھا اس لیے انہوں نے میجر طاہر کو تمام معاملات کا نگراں بنادیا تھا۔ بابر نے آپ کو بتایا ہوگا بیٹی......''

''نہیں تو انہوں نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اور پھر تو آپ کو کرنل صاحب کی وصیت کے متعلق بھی کچھ علم نہیں ہوگا؟''

''جی...... لیکن ممی سے کل بھی بات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ وکیل صاحب ابھی واپس نہیں آئے۔''

''وہ تو ابھی نہیں آئے لیکن بابر صاحب کے اصرار پر میں نے انہیں بتایا تھا لیکن شاید انہوں نے آپ سے ذکر نہیں کیا۔''

اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کرنل صاحب کی تمام پراپرٹی وغیرہ کا آپ اور بیگم صاحبہ کے سوا اور کوئی وارث نہیں...... تاہم کچھ پراپرٹی کرنل صاحب نے ایک ٹرسٹ کے نام کی ہے اور کچھ ارتفاع بیٹی کے نام......''

''ارفی کے نام؟'' اسے حیرت ہوئی تھی۔

''آپ کے بعد ظاہر ہے آپ کی جائداد کے وارث آپ کے بچے اور شوہر ہی ہوں گے لیکن شاید کرنل صاحب کو ارتفاع کے معاملے میں بابر پر بھروسا نہیں تھا۔''

''ارے نہیں ہمدانی صاحب ڈیڈی کو اس سلسلے میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ بابر تو مجھ سے زیادہ ارتفاع کو چاہتے ہیں۔'' اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

''ہوسکتا ہے۔'' ہمدانی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''اور بابر......؟'' اسے یک دم خیال آیا تھا۔

''بابر کو بھی تو ممی، ڈیڈی نے بیٹا بنایا ہوا تھا۔ وہ بھی تو وارث......''

''نہیں ایمل بی، وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔''
''کیا ممی کو پتا ہے کہ بابر......؟''
''یقیناً علم ہوگا اور نہیں بھی ہوگا تو ایک ہفتے تک وکیل صاحب انشاء اللہ واپس آجائیں گے۔ مکمل تفصیل کا علم تو انہیں ہی ہے۔'' وہ ہمدانی صاحب کو گیٹ تک چھوڑ کر واپس آئی تو لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھی۔ آخر ڈیڈی کو بابر پر ٹرسٹ کیوں نہیں تھا...... حالانکہ ڈیڈی تو پہلے یہی چاہتے تھے کہ بابر ان کا سارا بزنس سنبھال لیں۔ یہ تو بابر نے خود ہی منع کر دیا تھا۔ ہمدانی صاحب یقیناً مخلص آدمی ہیں لیکن بابر کے متعلق ان کی رائے صحیح نہیں تھی۔ بابر کے ساتھ گزری زندگی کا ہر لمحہ اس کے سامنے تھا۔

''مجھے ممی سے بات کرنی چاہیے۔'' اس نے اٹھ کر لاہور کا نمبر ملایا۔
فون ملازمہ نے اٹینڈ کیا تھا اور بتایا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور کچھ دیر پہلے ہی وہ میجر طاہر اور ان کی بیگم کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف گئی ہیں۔

''کیا ممی کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟'' وہ پریشان ہوگئی تھی۔
''پتا نہیں...... شاید بی پی ہائی ہو گیا تھا۔''
''ٹھیک ہے جیسے ہی ممی آئیں تم ان سے میری بات کروا دینا۔'' تب ہی باہر بابر کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور پھر گیٹ کھلنے کی آواز آئی......
''یہ بابر آج جلدی کیوں واپس آگئے ہیں۔'' اس نے سوچا اور ریسیور رکھ کر مڑی ہی تھی کہ بیل ہونے لگی تھی...... اس نے مڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔
''ہیلو جی کون......؟''
''مجھے مسز بابر سے بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف کوئی خاتون تھیں۔
''جی میں مسز بابر ہی بات کر رہی ہوں...... آپ کون......؟''
''میں...... میں عنبرین ہوں......''

''کون عنبرین......'' اس نے پوچھا اور اندر آتے بابر نے عنبرین کا نام سنا تو تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا...... بابر اس کے پیچھے ریسیور کان سے لگائے کھڑا تھا۔ دوسری طرف عنبرین کہہ رہی تھی۔
''مسز بابر مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''
''میں بابر نوید بات کر رہا ہوں میڈم، آپ کو جو بات مسز بابر سے کرنی ہے مجھ سے کرلیں۔'' بابر نے عنبرین کی آواز پہچان لی تھی اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ عنبرین نے اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر دیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ عنبرین نے ایمل سے کیا بات کرنے کے لیے فون کیا...... اور پھر اس کو یہاں گھر کا نمبر کہاں سے ملا...... اس نے دو تین بار ہیلو ہیلو کہا اور پھر ریسیور کریڈل پر ڈال کر ایمل کی طرف مڑا اور انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''یہ عنبرین کون ہے، تمہاری کوئی دوست؟''
ایمل نے جو بابر کے اس طرح پیچھے سے آکر ریسیور پکڑنے پر حیران سی کھڑی تھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''مجھے نہیں معلوم کون ہے...... ابھی تو اس نے صرف نام ہی بتایا تھا، تعارف نہیں کروایا تھا اور اس نام کی کسی لڑکی کو میں نہیں جانتی۔''

''دیکھو...... ایمل......'' اندر ہی اندر عنبرین کی اس جرأت پر کھولتے ہوئے اس نے ایمل کو سمجھایا۔ ''آئندہ کسی اجنبی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، چاہے وہ کوئی مرد ہو یا کوئی عورت، آج کل لوگ بہت فراڈی ہو گئے ہیں۔ ڈائریکٹری سے نمبر دیکھ کر کسی گھر میں فون کرتے ہیں اور گھریلو عورتوں کو خاص کر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے پھنسا لیتے ہیں۔ کبھی کسی انعامی اسکیم کا لالچ دے کر اور کبھی کچھ کہہ کر گھروں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ مال و دولت تو جاتی ہے عزت جانے کا بھی...... خطرہ ہوتا ہے۔''

وہ نہیں چاہتا تھا کہ عنبرین اگر پھر فون کرلے تو اس کی ایمل سے بات ہو، اب نہ جانے اس نے اتنے سالوں بعد کس مقصد سے فون کیا تھا۔

''ایسے کئی کیسز ہو چکے ہیں کہ پہلے ایک خاتون گھر کے اندر آئی اور پھر اس نے دوسرے ساتھیوں کو بھی بلالیا اور لوٹ کر چلتے بنے...... بعض اوقات جان بھی چلی جاتی ہے اور عزت بھی......'' اس نے اپنی بات کو پُراثر بنانے کے لیے مزید کہا۔ اس میں کسی حد تک حقیقت بھی تھی۔ ایسی باتیں سننے میں آ رہی تھیں۔

ایمل نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ اس وقت اس اجنبی لڑکی کی کال کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی۔ اس نے بابر کی بات سن تو لی تھی لیکن اس کا ذہن ممی کی بیماری میں الجھا ہوا تھا۔ ضرور ممی کی طبیعت زیادہ خراب ہوگی تب ہی تو میجر طاہر اور ان کی بیگم ممی کو لے کر اسپتال گئے ہیں۔ ورنہ چھوٹی موٹی تکلیف میں تو ممی خود ہی ڈاکٹر زیاد سے فون پر ڈسکس کر لیتی تھیں۔ ضروری ہوتا تو ڈاکٹر زیاد گھر بھی آ جاتے تھے۔ اس کے بچپن سے ہی ڈاکٹر زیاد گھر آ رہے تھے۔ ممی بھی اب ڈیڈی کی طرح اس سے اپنی تکلیف چھپانے لگی تھیں۔

''کیا بات ہے، تم کچھ پریشان ہو؟'' بابر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں......'' اس نے چونک کر بابر کی طرف دیکھا۔ ''ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا لاہور بات ہوئی؟''

''ہاں، میں نے ابھی لاہور ہی فون کیا تھا۔ ممی سے بات نہیں ہو سکی۔ میجر طاہر اور ان کی مسز انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہوئے تھے۔ رات ممی سے اتنی دیر بات ہوئی لیکن انہوں نے ذکر تک نہیں کیا کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔'' وہ پریشان سی وہاں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''یہ میجر طاہر...... who is he'' بابر نے بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔ ''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر ہمارے گھریلو معاملات میں اس کا اتنا عمل دخل کیوں ہے۔ اگر ممی کی طبیعت اتنی خراب تھی تو انہیں یہاں فون کرنا چاہیے تھا ہمیں...... نہ کہ میجر طاہر کو لیکن بھلا وہ ہمیں کیوں فون کریں گی۔ ہم ان کے کیا لگتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز در آیا تھا۔

''بابر......'' ایمل کو اس کا یہ طنزیہ انداز اچھا نہیں لگا۔

''ہم یہاں ہیں کراچی میں اور کیا وہ ہمیں فون کرتیں کہ ہم انہیں اسپتال لے جائیں؟''

''تو......'' بابر نے بھویں اچکائیں۔ ''کون سا ہمیں پیدل چل کر جانا تھا پہنچ جاتے دو تین گھنٹے تک۔'' بابر پتا نہیں کیوں اتنا چڑچڑا ہو رہا تھا۔

''انکل مجیب ڈیڈی کے بہت اچھے دوست ہیں۔ آپ خود بھی جانتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہی ان کے خاندان سے ہمارے فیملی ٹرمز بہت اچھے رہے ہیں۔ میجر طاہر پر ڈیڈی کو بہت ٹرسٹ تھا۔ میرے بچپن میں اکثر ڈیڈی طاہر بھائی کو گھر لے آتے تھے پھر ڈیڈی نے تو آرمی کی جاب چھوڑ دی تھی لیکن انکل آرمی میں ہی تھے اور ان کی پوسٹنگ مختلف علاقوں میں ہوتی رہی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ آپ کے آنے کے بعد بہت کم طاہر بھائی ہمارے گھر آئے۔

انہیں کمیشن مل گیا تھا پھر ان کی بھی مختلف جگہوں پر پوسٹنگ ہوتی رہی لیکن انکل مجیب کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں...... ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے لاہور میں ہی رہائش اختیار کر لی تھی...... ہم جن دنوں کراچی شفٹ ہوئے تھے طاہر بھائی کو بھی آرمی چھوڑنا پڑی...... ایک حادثے میں وہ زخمی ہو گئے تھے۔ ایک سال بیڈ پر رہے انہیں چلنے میں پرابلم بھی رہا اس لیے مجبوراً آرمی چھوڑ دی۔'' ایمل نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے ساری تفصیل بتاتی۔

''جانتا ہوں سب۔'' بابر کے لہجے میں بیزاری تھی۔

''ڈیڈی کی بیماری کے دنوں میں انکل اور طاہر بھائی نے بہت خیال رکھا...... ہر وقت ان کے ساتھ رہے اور بہت محبت کرتے تھے ڈیڈی ان سے۔''

''تمہارے ڈیڈی......'' بابر اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ ''انہیں خدا جانے ان کرنل مجیب اور میجر طاہر میں ایسی کیا خوبی نظر آ گئی تھی کہ انہوں نے آخری وقت تک نہ تو ہمیں اپنی بیماری سے آگاہ کیا اور نہ ہی دوسرے معاملات کے متعلق کچھ بتایا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارے ڈیڈی......؟'' ایمل نے اس کی باقی بات پر غور نہیں کیا تھا۔ ''کیا وہ آپ کے ڈیڈی نہیں تھے؟''

''میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا لیکن......'' اس نے یک دم اپنا لہجہ نرم کیا۔ ''وہ صرف تمہارے ڈیڈی تھے، تمہیں جلد ہی پتا چل جائے گا۔ خیر چھوڑو اس بات کو۔'' وہ جو ابھی تک کھڑا تھا ایمل کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مجھے یہ میجر طاہر صحیح بندہ نہیں لگتا، مجھے ڈر ہے کہ یہ کہیں تم لوگوں کو کوئی بڑا دھوکا نہ دے جائے۔''

''لیکن میجر طاہر بھلا ہمیں کیا دھوکا دیں گے؟'' ایمل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے ڈیڈی نے اسے کہاں تک اختیار دیے ہیں۔ یہ تو ہمدانی صاحب کو پتا ہوگا یا ممی کو...... لیکن جس طرح وہ تمہارے ڈیڈی کے آفس میں بیٹھا ہوتا ہے اس سے تو لگتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زیادہ ہی اختیار ہیں۔''

''کیا آپ کی ملاقات ہوئی طاہر بھائی سے...... آپ گئے تھے آفس؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں...... میں نے سنا ہے۔''

''آپ کو یقیناً طاہر بھائی کے متعلق کچھ غلط فہمی ہوئی ہے...... انکل مجیب اور طاہر بھائی سب ہمارے ساتھ بہت مخلص ہیں۔ وہ کبھی ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

اس کے لہجے میں یقین تھا۔

''یہ تو وقت آنے پر ہی پتا چلے گا کہ کون کتنا مخلص ہے۔'' بابر کے چہرے پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہوگئی۔

''یہاں ہر دوسرے شخص نے چہرے پر نقاب لگا رکھا ہے۔ جس کے پیچھے اصل چہرہ چھپ جاتا ہے اور تمہارے ڈیڈی کو معاف کرنا آدمیوں کی پہچان ہرگز نہیں تھی...... اگر انہیں پہچان ہوتی تو وہ تمہارے لیے مدثر حسن جیسے شخص کا انتخاب ہرگز نہیں کرتے۔ وہ تو خیر خود ہی بے نقاب ہوگیا اتفاقاً ورنہ پتا نہیں کیا ہوتا۔'' وہ پھر کھڑا ہوگیا تھا۔

''تم اپنے وکیل سے بات کر کے اس میجر طاہر اور انکل مجیب سے جان چھڑاؤ فوراً اور سارا کام کسی بھروسے والے شخص کے سپرد کرو۔'' وہ بات کر کے رکا نہیں تھا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ایمل ہاتھ گود میں دھرے ساکت بیٹھی تھی۔ مدثر کے متعلق بابر نے کچھ غلط تو نہیں کہا تھا۔ اس کے معاملے میں ڈیڈی ضرور دھوکا کھا گئے تھے لیکن نہیں...... اس میں بھلا ڈیڈی کا کیا قصور تھا۔ مدثر ان کا انتخاب کب تھا۔ مدثر کے لیے تو وہ خود پاگل ہوئی تھی اور ڈیڈی اس کے آنسو برداشت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اس سے بے حد محبت کرتے تھے اور مدثر...... اس نے کیا، کیا تھا اس کے ساتھ...... ''ہم لڑکیاں بھی کتنی پاگل ہوتی ہیں کوئی محبت کے محض دو لفظ بول دے تو دل و جان سے اس پر ایمان لے آتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں...... سب رشتے سارے تعلق اس ایک نئے رشتے کے سامنے بے معنی لگنے لگتے ہیں......'' وہ بھی تو مدثر کی محبت کے سحر میں گم سمجھتی تھی کہ اس کے لیے مدثر سے بڑھ کر کوئی نہیں...... اور اگر مدثر کا ساتھ نہ ملا تو وہ جی نہیں پائے گی۔ کتنا یقین تھا اسے مدثر پر اس کی محبت پر اور کس بری طرح ٹوٹا تھا اس کا یقین...... وہ مدثر کو دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ممی، ڈیڈی، مدثر کے بابا جان سب نے ہی اسے سمجھایا تھا لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ مدثر کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ اسے صرف طلاق چاہیے تھی اور اگر مدثر نے طلاق نہ دی تو وہ خلع لے، لے گی لیکن اس روز جب بابا جان نے اسے آنے والے بچوں کا واسطہ دیا، سمجھوتا کرنے کی درخواست کی...... ان بچوں کی خاطر جو ابھی دنیا میں نہیں آئے تھے تو وہ ہارنے لگی تھی۔ اسے مدثر کے بابا جان سے کبھی کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔ وہ بہت محبت کرنے والے نفیس انسان تھے۔ جتنا وقت اس نے مدثر کے گھر گزارا تھا انہوں نے اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ تھکے ہارے نڈھال سے بابا جان اس کی منت کر رہے تھے، ہاتھ جوڑ رہے تھے۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

''ایک بار صرف ایک بار ان بچوں کے متعلق سوچ لو جو ابھی اس دنیا میں نہیں آئے۔ کیا انہیں باپ کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ کیا بڑے ہو کر وہ تم سے باپ کے متعلق سوال نہیں کریں گے اور اگر وہ باپ کے پاس رہے تو کیا وہ ماں کے لیے نہیں ترسیں گے؟''

''نہیں، میں اپنے بچوں کو مدثر کے حوالے نہیں کروں گی۔'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔

''مدثر اتنا ظالم نہیں ہے بیٹا کہ وہ ایک ماں سے اس کے بچے جدا کر دے اور پھر ماں بھی وہ جسے اس نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع جانا...... وہ تمہارے دل کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا بھلے اس کا اپنا دل خاک ہو جائے۔ بیٹی تم نے مدثر کو سمجھا ہی نہیں۔'' وہ دکھی تھے۔

''بابا جان......!'' اس نے بے حد شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''آپ پلیز مدثر کے متعلق کوئی بات نہیں کریں۔ آپ باپ ہیں، آپ بھی مدثر کو غلط نہیں سمجھیں گے۔''

''سوری...... بیٹا! میں یہاں مدثر کی صفائی پیش کرنے نہیں آیا کیونکہ میں جانتا ہوں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بعض اوقات بدگمانی کے نقش اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی دلیل، کوئی بھی کوشش اس نقش کو مٹا نہیں سکتی۔ وقت شاید کبھی خود ہی فیصلہ کر دے۔'' انہوں نے ایک گہری سانس لی تھی اور قدرے توقف کے بعد پھر کہا تھا۔

''میں ان باپوں میں سے نہیں ہوں بیٹا جو اولاد کی غلطیوں پر پردہ ڈالتے ہیں۔ مجھے اگر یقین ہوتا کہ مدثر غلط ہے اور وہ سب کچھ صحیح ہے جو تم نے کہا ہے تو میں اس کے بجائے تمہارے ساتھ کھڑا ہوتا لیکن اس وقت مجھے مدثر کے لیے کچھ نہیں کہنا...... اور نہ میں اس کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں صرف تمہارے اور اس کے بچوں کے لیے آیا ہوں، جن کے لیے ہم سب نے مل کر خواب دیکھے ہیں۔ ایک بار صرف ایک بار تم ان کے متعلق سوچ لو۔ میں جانتا ہوں تم انہیں زندگی کی ہر نعمت دے سکتی ہو لیکن کیا تم انہیں ان کا باپ اور اس کی محبت وشفقت بھی دے سکتی ہو؟ ان کو باپ کی محبت سے محروم مت کرو بیٹی۔''

اور تب کتنے کرب اور اذیت سے گزر کر اس نے بچوں کی خاطر سمجھوتا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ مدثر کے ساتھ...... اب وہ کیسے رہے گی...... لیکن اسے رہنا تھا۔ بچوں کی خاطر...... بابا جان کی باتوں نے اس کے اندر بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیا تھا وہ صحیح ہی تو کہہ رہے تھے کہ وہ دنیا کی ہر نعمت ان کے سامنے ڈھیر کر دے لیکن انہیں ان کا باپ نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے بابا جان سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ بچوں کی خاطر یہ زہر پینے کے لیے تیار ہے۔ وہ اب زندگی بھر مدثر کی محبت پر اعتبار نہیں کر سکتی لیکن وہ گھر واپس آجائے گی صرف بچوں کے لیے لیکن اسے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ بابا جان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''شکریہ بیٹے!'' اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کا ہاتھ لرز رہا تھا۔

ان کی آنکھوں کے آنسو...... ان کا وہ نڈھال سا شکستہ وجود اسے بے چین کر گیا تھا...... انہوں نے آج مدثر کی صفائی میں کچھ نہیں کہا تھا نہ ہی اس کی وکالت کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ ممی کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ ممی نے اس کے فیصلے کو سراہا تھا۔

''تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے، مرد کا کیا ہے وہ سو غلطیاں بھی کر لے تو عورت کو اپنی اولاد کی خاطر اپنا گھر بچانے کے لیے معاف کرنا ہی پڑتا ہے۔ مدثر تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔''

''ہاں، وہ ایسا تو نہیں تھا۔'' اس روز بہت دنوں بعد اس نے سوچا تھا، پھر اس نے ایسا کیوں کیا...... کیا وہ لڑکی مجھ سے بہتر تھی یا ہو سکتا ہے وہ مجھ سے پہلے ہی اس لڑکی سے محبت کرتا ہو...... اور اس نے مجھ سے محبت کی ہی نہیں تھی۔ بابر سچ ہی کہتا ہے کہ اس نے صرف دولت کی خاطر مجھ سے شادی کی تھی...... اس کی محبت جھوٹی تھی۔ اس نے محبت کا ڈراما رچایا تھا لیکن کیا جھوٹ میں بھی اتنا اثر ہوتا ہے۔'' وہ تو مدثر کے محبت بھرے لفظوں کی اسیر تھی۔ اس کی وہ محبت لٹاتی نظریں...... وہ شدتیں...... وارفتگیاں اسے کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ سب ایک جھوٹ ہے...... ڈراما ہے، وہ کتنی وارفتگی سے اسے تکتا تھا۔ کیسے اس کی ذرا، ذرا سی بات کا خیال رکھتا تھا۔

اور کیا خبر مدثر نے سچ ہی کہا ہو کہ وہ لڑکی اس کے لیے انجان ہی ہو...... اور اس سے مدد حاصل کرنے کے لیے

ہی ملی ہو...... اس روز پہلی بار اس نے سوچا لیکن پھر خود ہی اپنی سوچ رد کر دی تھی۔

''نہیں، یہ صرف ایک روز کی بات تو نہیں تھی۔ بابر نے پہلے بھی کتنی ہی بار اسے اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا لیکن وہ تو بالکل ہی مکر گیا اور اگر نہ مکرتا تو شاید میں خود کو تسلی دے لیتی کہ اس کے ساتھ کوئی کولیگ کوئی دوست ہوگی لیکن ''سوچتے، سوچتے وہ گھبرا کر کمرے سے لاؤنج میں آگئی تھی۔ بابر لاؤنج میں اکیلا بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''پتا نہیں، میں نے صحیح کیا ہے یا غلط...... ''اپنے فیصلے کے متعلق بتاتے ہوئے اس نے بابر سے پوچھا تھا۔ وہ بابر سے کبھی بے تکلف نہیں رہی تھی۔ کبھی ان کے درمیان فالتو بات نہیں ہوئی تھی شادی سے پہلے بہت رسمی سی بات ہوتی تھی لیکن آج کل ان میں مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ جب سے بابر نے مدثر کے حوالے سے بات کرنا شروع کی تھی، ان کے درمیان سے تکلف کی دیوار گر گئی تھی۔ بابر اکثر اس کے پاس آکر اس کی دلجوئی کرتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے بابر سے پوچھا تھا اور وہ بے حد حیران ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے مدثر کے گھر واپس جانے کا فیصلہ کرلیا؟''

''ہوں......''اس نے سر ہلایا تھا۔

''ڈیڈی اور ممی کا بھی یہی خیال ہے کہ مجھے بچوں کی خاطر واپس چلے جانا چاہیے۔''

''لیکن وہ شخص ہرگز بھی تمہارے جیسی شفاف، پاکیزہ دل رکھنے والی لڑکی کے قابل نہیں ہے۔'' بابر بے حد مضطرب لگ رہا تھا۔

''ممی کہتی ہیں طلاق یافتہ عورت کو معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بھلے وہ بے قصور ہی کیوں نہ ہو۔ طلاق یافتہ عورت کے بچوں کو بہت سفر کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر بڑے ہو کر وہ کیا سوچیں گے کہ ان کی ماں نے ان کے باپ سے طلاق لے لی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ مجھے ہی قصوروار سمجھیں۔'' وہ بے حد افسردہ تھی۔

''کیا ضرورت ہے ایمل کہ بچوں کو بتایا جائے کہ ان کی ماں نے طلاق لے لی تھی۔ یہ بات ان سے چھپائی بھی تو جاسکتی ہے۔''

''کب تک؟ جب وہ بڑے ہوں گے تو انہیں پتا چل ہی جائے گا۔ ایسی باتیں بھلا کہاں اور کب تک چھپ سکتی ہیں۔''

''کوئی دوسرا شخص بچوں کو یہ احساس دلائے بغیر کہ وہ اس کے بچے نہیں ہیں انہیں باپ کا پیار دے سکتا ہے۔ تم اگر کسی ایسے انسان سے شادی کرلو تو...... ''بابر کی نظریں اسی پر تھیں۔

''ایسا شخص...... کون ہوگا بھلا......؟'' وہ بے حد دلگرفتہ تھی۔ ''کوئی بھی شخص دوسروں کی اولاد کو اپنا نہیں سمجھ سکتا...... اور پھر اگر میں مدثر سے طلاق لے بھی لیتی تو میرا ارادہ دوبارہ شادی کرنے کا نہیں تھا۔''

''زندگی تنہا نہیں گزر سکتی ایمل...... ''بابر کا انداز سمجھانے والا تھا۔ ''دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہے...... ہر شخص مدثر نہیں ہوتا...... تم اپنے اردگرد نظر ڈالو تو شاید تمہیں محسوس ہو جائے کہ کوئی ہے جو تمہارے بچوں کو باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔''

لیکن اس نے بابر کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا اور اسے ڈیڈی کے متعلق بتانے لگی تھی۔

''ڈیڈی کہتے ہیں ہوسکتا ہے وہ سب سچ ہو جو مدثر نے کہا ہے۔ ہمیں کوئی غلط فہمی بھی تو ہوسکتی ہے اور مجھے ضرور اسے ایک چانس دینا چاہیے۔''

''غلط فہمی......؟'' بابر کا رنگ سرخ ہوا تھا۔

''تم نے خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ایمل، پھر بھی تم اسے غلط فہمی کہہ رہی ہو؟'' پتا نہیں کیوں بابر کو غصہ

آ گیا تھا۔ ''اگر وہ اتنا ہی سچا ہے تو اب تک اپنا سچ ثابت کرنے کے لیے اس لڑکی کو لے کر کیوں نہیں آیا یہاں ......'' بابر نے کہا تھا۔

''یہ تو ہے لیکن کبھی، کبھی بصارتیں دھوکا بھی تو کھا جاتی ہیں۔ انسان جو کچھ دیکھتا ہے وہ اصل حقیقت نہیں ہوتی۔'' بالکل غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے مدثر کے کہے الفاظ نکلے تھے۔

''تم احمق ہو ایمل ...... بھلا اس طرح آنکھوں دیکھی مکھی کون نگل سکتا ہے۔'' بابر جھنجلایا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں بابر بھائی لیکن کبھی، کبھی انسان مجبور ہو جاتا ہے، میں بھی اپنے بچوں کی خاطر یہ مکھی نگلنے پر مجبور ہوں، میں نے بابا جان سے کہہ دیا تھا کہ میں چند دنوں تک گھر آ جاؤں گی لیکن مدثر ......''

''لیکن تم یہ کیسے کر سکتی ہو ایمل۔'' بابر نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ ''تم ایک سچی اور کھری لڑکی ہو، تم کیسے ایک دغاباز جھوٹے اور فریبی مرد کے ساتھ رہ سکتی ہو۔''

''ہاں، یہ آسان نہیں ہوگا۔'' اس نے بے بسی سے بابر کی طرف دیکھا تھا۔

''لیکن میں نے اسے اپنے بچوں کی خاطر معاف کر دیا ہے۔ عورت کو اولاد کی خاطر سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے بابر بھائی اور میری بھی مجبوری ہے کہ وہ میرے ہونے والے بچوں کا باپ ہے۔''

''تمہاری کوئی مجبوری نہیں ہے ایمل ......'' بابر نے اسے سمجھایا تھا۔ ''عورت وہاں مجبور ہوتی ہے جہاں اسے معاشی پرابلمز کا سامنا ہو...... تمہیں اور تمہارے بچوں کو ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے۔''

''بابر بھائی بات صرف مالی آسودگی کی ہی تو نہیں ہوتی۔ بڑی سے بڑی دولت بھی باپ کی شفقت و محبت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔'' بابا جان کی بات دہراتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں اس کا اعتراف بھی کیا تھا۔ بھلے وہ بچوں کے سامنے دولت کے ڈھیر لگا دے ان کے لیے دنیا کی ہر آسائش مہیا کر دے لیکن کسی روز اگر انہوں نے پوچھ لیا...... ہمارا باپ کہاں ہے تو وہ پھر کیسے انہیں مطمئن کرے گی۔

''اوکے، اگر تم فیصلہ کر چکی ہو تو میں کہہ کیا سکتا ہوں، سوائے اس کے کہ تمہیں اپنے فیصلے پر پچھتانا نہ پڑے۔''

''آمین ......'' اس نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

بابر نے اس کے بعد اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں ہی بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی اتنے دنوں میں پہلی بار وہ مدثر کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ بستر پر سونے کی غرض سے لیٹی تھی مگر وہ مدثر کو ہی سوچے جا رہی تھی۔

کہیں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا کہ اسے احساس ہوتا کہ مدثر اس کے ساتھ مخلص نہیں ہے۔ اس کی وارفتگیاں اس کی محبتیں...... اس کے جذبوں کی حدت میں لپٹے الفاظ اس کا کہا ایک، ایک لفظ اسے یاد آیا جو اسے ہمیشہ معتبر کر دیتا تھا۔ وہ عجب طرح سے نازاں ہوتی اور اس کی محبت اسے مغرور کرتی تھی۔ اسے فخر تھا کہ مدثر اس کا شریک زندگی ہے اور وہ دنیا کی سب سے خاص بلکہ خوش قسمت ترین لڑکی ہے اور پھر اس کا یہ غرور خاک میں مل گیا تھا۔ وہ خاص نہیں رہی تھی ایک عام عورت ہو گئی تھی، ایک ایسی عام عورت جس کا شوہر صرف اس کا شوہر نہ تھا۔

وہ بیتے دنوں کو یاد کرتی رہی تھی اور اس کا تکیہ اس کے آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کب سوئی لیکن صبح اٹھی تو وہ پچھلے دنوں کے مقابلے میں زیادہ فریش تھی اور اپنے فیصلے پر بے حد مطمئن...... مدثر نے ان بیتے دو سالوں میں اسے بے حد اور بے حساب چاہا تھا وہ کوئی ایک لمحہ بھی ایسا یاد نہ کر سکی تھی جب اسے مدثر کی محبت میں کمی محسوس ہوئی ہو تو اسے ایک چانس دیا جا سکتا تھا۔

''ممی میں سوچ رہی ہوں کہ آج شام واپس گھر چلی جاؤں آپ مدثر کو فون کر دیں کہ وہ کالج سے واپسی پر

مجھے لے جائیں۔'' ناشتا کرتے ہوئے اس نے بہت اطمینان سے ممی سے کہا تھا۔
پتا نہیں کیوں اس کا جی چاہا تھا کہ وہ مدثر کے سنگ ہی گھر واپس جائے۔
ناشتا کرتے ہوئے بابر نے بے حد چونک کر اسے دیکھا تھا اتنے سارے دنوں سے اس کے چہرے پر جو تناؤ تھا اور جو بیزاری کی کیفیت ہر وقت اس پر طاری رہتی تھی اب نہیں تھی۔
''وہ ممی آج مجھے اماں، ابا سے ملنے جانا ہے۔ ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ کئی دنوں سے فون کر کے بلا رہے ہیں۔'' وہ ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔
''ٹھیک ہے بیٹا چلے جاؤ، میری طرف سے بھی بھائی صاحب کی مزاج پرسی کرنا لیکن بیٹا ڈھنگ سے ناشتا تو کر لو۔''
''میں نے ناشتا کر لیا ہے، ممی آپ لوگ کب اسلام آباد کے لیے نکلیں گے۔''
''کچھ دیر تک، جنازہ تو رات آٹھ بجے ہے۔'' بابر سے بات کر کے وہ ایمل کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
''میں اور تمہارے ڈیڈی ایک گھنٹے میں اسلام آباد کے لیے نکل رہے ہیں۔ دراصل تمہارے ڈیڈی کے دوست کرنل شفیق کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ کل شام تک واپس آ جائیں گے تو تم ہمارے واپس آنے کے بعد ہی اپنے گھر چلی جانا لیکن اپنے سسر یا مدثر کو فون ضرور کرنا وہ بیچارے بہت پریشان تھے...... اکلوتے بیٹے کے حوالے سے تم بھی انہیں بہت عزیز ہو گئی ہو...... بہت محبت کرتے ہیں تم سے۔''
''مجھے خوشی ہے کہ تم نے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' کرنل حامد نے ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔ وہ ناشتا اپنی اسٹڈی میں ہی کیا کرتے تھے اور آج بھی انہوں نے وہاں ہی ناشتا کیا تھا اور اب تیار ہو کر باہر آئے تھے۔
''گھر بنتے مشکل سے ہیں مگر بہت آسانی سے ٹوٹ بھی جاتے ہیں...... اور ٹوٹے ہوئے گھر دوبارہ نہیں بنتے اور اگر بن بھی جائیں تو ویسے نہیں بنتے کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ڈیفیکٹ رہ جاتا ہے۔'' وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔
''جی ڈیڈی......'' ایمل نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ ''ہو سکتا ہے مدثر کے لیے میرے دل میں وہ مقام کبھی پیدا نہ ہو سکے جو پہلے تھا لیکن مجھے اپنے بچوں کی خاطر سمجھوتا کرنا پڑا۔ میں نہیں چاہتی ڈیڈی کہ میرے بچے جب بڑے ہوں تو ان کی شخصیت میں کہیں کوئی کمی یا خلا رہ جائے۔''
''میری بیٹی بہت عقلمند ہے اور اس نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔'' انہوں نے اس کا بازو تھپتھپاتے ہوئے بابر کی طرف دیکھا تھا جو اپنی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔
''میاں تم کیوں کھڑے ہو بیٹھ کر ناشتا کرو۔''
''میں نے ناشتا کر لیا ہے ڈیڈی...... مجھے ابا، اماں سے ملنے جانا ہے اور بس جا ہی رہا ہوں۔ یونہی آپ لوگوں کی بات سننے کے لیے رک گیا تھا۔''
''اپنے اماں، ابا کو میرا بھی سلام کہنا۔''
''جی......'' اس نے آہستگی سے کہا اور پھر کچھ جھجکتے ہوئے بولا تھا۔
''وہ ڈیڈی......'' ممی سے تو وہ ہمیشہ سے ہی بے تکلف تھا اور ہر بات بلا جھجک کہہ دیتا تھا لیکن ڈیڈی سے بات کرتے ہوئے آج بھی ہچکچاتا تھا اسے جھجکتے دیکھ کر ایمل کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''ہاں، ہاں کہو......'' ہمیشہ کی طرح کرنل حامد کا لہجہ نرم اور حوصلہ دیتا ہوا سا تھا۔

''وہ دراصل میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ایمل کچھ غلط نہیں کر رہی...... مدثر قابلِ اعتبار نہیں ہے، کیا ایسے شخص پر بھروسا کیا جاسکتا ہے جو ایک بار آپ کو دھوکا دے چکا ہو؟''

''شاید نہیں۔'' کرنل حامد کے لبوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ''لیکن میاں، بیوی کا معاملہ بالکل الگ ہوتا ہے بیٹا! ازدواجی زندگی کے معاملات کچھ مختلف اصولوں پر چلتے ہیں، کبھی بیوی کو سمجھوتا کرنا پڑتا ہے کبھی شوہر کو...... ایک دوسرے کی غلطیوں، خامیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کیے بنا یہ گاڑی نہیں چلتی۔ اپنے ابا، اماں کو ہی دیکھ لو...... تمہارے ابا سال میں کتنی بار تمہاری اماں کا اعتبار توڑتے ہیں اور ہر بار وہ پھر ان پر یقین کر لیتی ہیں۔'' ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور بابر کا سر جھک گیا تھا...... اس کے پاس دینے کے لیے کوئی دلیل نہیں رہی تھی...... ایمل کو تب لگا تھا کہ ڈیڈی کو خالہ، خالو کی مثال نہیں دینی چاہیے تھی تاہم وہ خاموش رہی تھی اور بابر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا تھا اور ڈیڈی، ممی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''بیگم صاحبہ دس بجنے والے ہیں اور آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ بارہ بجے کی فلائٹ ہے اور گھنٹا تو...... ائرپورٹ پہنچنے میں لگ جائے گا۔''

''میں بس تیار ہی ہوں، بیگ میں ایک جوڑا کپڑوں کا رکھنا ہے بس......'' ممی نے اپنے لیے چائے بناتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''آپ کے لیے چائے بناؤں ڈیڈی......'' ایمل نے پوچھا تو وہ اسی نرم لہجے میں بولے تھے۔

''ویسے تو پی چکا ہوں لیکن میری بیٹی بنائے گی تو ضرور پیوں گا۔''

وہ اس کے لیے اتنے ہی شفیق اور مہربان تھے۔ وہ ان کے لیے چائے بنانے لگی تھی اور ممی چائے پی کر تیار ہونے چلی گئی تھیں۔

ممی، ڈیڈی کے جانے کے بعد اس نے باتھ (غسل) لیا تھا، فریش ہونے کے بعد کچھ دیر اخبار پڑھتی رہی تھی اور پھر بہت ریلیکس ہو کر ٹی وی لاؤنج میں آکر ٹی وی دیکھنے لگی تھی۔ ان دنوں اس کے پاؤں ذرا سا لٹکانے سے بہت سوج جاتے تھے سو وہ پاؤں کے نیچے کشن رکھے ٹانگیں تھوڑی سی پھیلائے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بہت آرام سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جب ملازمہ نے آکر بتایا تھا کہ کوئی لڑکی اس سے ملنے آئی ہے۔

''اوہ، ضرور مونی ہوگی۔'' وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ارے بھئی اسے اندر لے آؤ باہر کیوں روک رکھا ہے۔'' ملازمہ نئی تھی اور مونی کو پہچانتی نہیں تھی۔

کتنے سارے دن ہو گئے تھے مونا سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جب سے مونی کی شادی ہوئی تھی صرف دو تین بار ہی اس کی بات ہو سکی تھی۔ ایک تو اس کے سسرال میں اتنے بچے تھے کہ جب بھی فون کرو کوئی بچہ اٹھا لیتا تھا۔

''اچھا مامی سے بات کرنی ہے۔ ہولڈ کریں بلاتا ہوں۔'' اور پھر ریسیور اٹھائے، اٹھائے ہاتھ تھک جاتے اور ٹوں، ٹوں کی آواز آنے لگتی۔ بچہ شاید مامی کو بتانا بھول جاتا...... یا پھر کوئی بچہ کہتا۔

''اچھا چاچی سے بات کرنی ہے لیکن چاچی تو کچن میں ہیں......'' یا پھر یہ کہ ''کمرے میں ہیں باہر آئیں گی تو بتا دوں گا۔''

''ارے بھئی کمرے میں جا کر بتا دو۔''

''توبہ، توبہ......'' بچہ توبہ کرنے لگتا۔

''ہمیں چاچو سے ڈانٹ کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے، آپ اپنا نام بتا دیں جب چاچی نظر آئیں گی تو پیغام

دے دوں گا۔'' از راہِ کرم ارشاد ہوتا۔
اور پھر پیغام دینے والا وعدہ کر کے شاید بھول جاتا تھا۔ تنگ آکر اس نے اس کی سسرال فون کرنا چھوڑ دیا تھا اور آنٹی سے کہہ دیا تھا کہ جب وہ لاہور آئے تو اس کی بات کروادیں اور اس کا تو ایسا دل لگا تھا اپنی سسرال میں کہ وہ شادی کے بعد دو تین بار ہی آئی تھی اور اسے ان دنوں اس کی کتنی ضرورت تھی ایک وہ ہی تو تھی اس کی اکلوتی دوست...... اس کی ہمراز جس سے وہ دل کی ہر بات کہہ سکتی تھی...... اور جس نے ہمیشہ اسے مدثر کی محبتوں کا یقین دلایا تھا اور جو اس کی قسمت پر رشک کرتی تھی کہ مدثر جیسا شخص اس کا دیوانہ ہے۔ دل جیسے آبلہ بنا ہوا تھا۔ وہ بہت اشتیاق سے اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہوئی تھی لیکن اندر لاؤنج میں قدم رکھنے والی موتی نہیں تھی۔ کندھوں تک کٹے بال، جدید تراش خراش کا لباس پہنے وہ لڑکی اسے جانی پہچانی سی لگی تھی لیکن اسے یاد نہیں آیا تھا کہ اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے۔

''مجھے مسز مدثر حسن سے ملنا ہے۔'' لڑکی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جی، میں ہی مسز مدثر ہوں۔'' اس کا دل جیسے ایک لمحہ کو ڈوب کر ابھرا تھا۔

''تشریف رکھیں پلیز......'' اس نے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ بیٹھ گئی تھی لیکن بہت مضطرب اور بے چین لگ رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ یونہی بیٹھی انگلیاں چٹخاتی رہی تھی اور پھر پہلو بدلتے ہوئے اس نے یونہی انگلیاں چٹخاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آئی ہوں مسز مدثر، میں کبھی یہاں نہ آتی اگر......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی یوں جیسے اسے اپنی بات کی وضاحت کے لیے لفظ نہ مل رہے ہوں...... پھر اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔ وہ اپنے ہونٹ بے دردی سے دانتوں تلے کچل رہی تھی اور ایمل کو لگا تھا جیسے وہ ابھی رو دے گی اور ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھی اس کا وجود ہولے، ہولے ہل رہا تھا۔

''پلیز مت روئیں، بتائیں تو سہی کیا ہوا ہے۔'' ایمل گھٹنوں پر کہنی کا دباؤ ڈال کر تھوڑا سا آگے جھکی تھی۔ کسی انہونی کا خوف اس کے دل کو جیسے اپنے پنجوں میں جکڑے ہوا تھا کسی خوفناک عفریت کی طرح......

''آپ...... صرف آپ ہیں جو میری مدد کر سکتی ہیں۔'' کچھ دیر بعد اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تھے اور دوپٹے کے پلو سے رگڑ کر چہرہ صاف کیا تھا۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں آپ بتائیں تو اگر میرے اختیار میں ہوا تو ضرور آپ کی مدد کروں گی۔'' ایمل کا دل اس کے لیے گداز ہوا تھا۔

''آپ کے اختیار میں ہی تو ہے سب کچھ۔'' وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور ایمل کے پاس نیچے بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھ ایمل کے پاؤں پر رکھ دیے تھے۔

''نہیں...... نہیں یہ کیا کر رہی ہیں آپ......'' اس نے یک دم اپنے پاؤں کھینچ کر صوفے پر رکھ لیے تھے اور اضطراری کیفیت میں ہولے، ہولے دبانے لگی تھی۔

''میں آپ کی کنیز بن کر رہ لوں گی، ساری زندگی آپ کی نوکرانی بن کر گزار دوں گی بس آپ مدثر سے کہیں مجھ سے شادی کر لے۔''

اور اسے لگا تھا جیسے خوف کے اس عفریت نے اپنے نوکیلے ناخن اس کے دل میں چبھو دیے ہوں اور وہ بھرائی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''آپ اسے شادی کی اجازت دے دیں، بس ایک بار وہ مجھ سے شادی کر لے پھر چاہے ساری زندگی آپ

مجھے گھر کے ایک کونے میں ڈال دیجیے گا۔ پڑی رہوں گی، آپ جو کہیں گی، کروں گی لیکن خدا کے لیے مجھے بچالیں۔ میرا باپ بہت سخت ہے، وہ مجھے مار ڈالے گا، اگر اسے پتا چل گیا تو...... وہ مجھے ہی نہیں میری چھوٹی بہنوں کو بھی مار ڈالے گا اور ہم سب کو مار کر خود بھی مر جائے گا...... میں مدثر کے بچے کی ماں بننے والی ہوں...... میں خودکشی نہیں کر سکتی، مجھے مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ورنہ اپنی زندگی ختم کر لیتی۔'' اور ظالم عفریت نے اس کا دل مٹھی میں دبا کر مسل ڈالا تھا۔

وہ ہاتھ جوڑ رہی تھی اور منتیں کر رہی تھی لیکن وہ ساکت بیٹھی تھی جیسے پتھر کی ہو، اس کے اندر جو وہ ایک نرم گوشہ پیدا ہوا تھا مدثر کے لیے وہاں کی زمین جیسے یک دم سخت، پتھریلی چٹانوں میں بدل گئی تھی۔ وہ جو رات کو اس نے اس نرم گوشے سے ننھی ننھی کونپلیں پھوٹتی محسوس کی تھیں معافی کی، امید کی، درگزر کی، نرمی کی، وہاں اب کسی کونپل کا نشان تک نہیں تھا۔ بس سخت پتھریلی زمین تھی، جہاں نہ پھول کھلتے ہیں نہ سبزہ...... اس نے خالی، خالی نظروں سے اس اجنبی لڑکی کو دیکھا تھا وہ بلاشبہ وہی تھی جسے اس نے اس رات مدثر کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو اضطراری کیفیت میں پرے کرتے ہوئے وہ اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اور پھر پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی تھی اسے خبر نہیں تھی۔ وہ یونہی اپنے بیڈ پر ساکت بیٹھی تھی۔

وہ لڑکی کب گئی تھی اسے یہ بھی خبر نہیں تھی۔ بہت دیر بعد اس کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ اور اس کی کھنچی ہوئی آنکھوں کی سطح پر نمی پھیلی تھی۔

مدثر نے اس کا اعتبار توڑا تھا۔ وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ وقت گزار رہا تھا۔ اس نے اپنے ہونے والے بچوں کی خاطر اسے معاف کر دیا تھا لیکن وہ اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے؟ اتنا گرا ہوا اسے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ اس لڑکی کو بھلا کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی اور مدثر پر اتنا بڑا الزام لگانے کی جبکہ اس الزام کی زد میں اس کی اپنی ذات بھی آ رہی تھی۔

اسے لگا تھا جیسے اس کی زندگی ختم ہو رہی ہو۔ کتنا بڑا دھوکا کھایا تھا اس نے مدثر کی محبت پر اعتبار کر کے...... اسے اپنی ناقدری پر رونا آیا اور اس کی نم آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور پھر پتا نہیں کتنی ہی دیر تک وہ روتی رہی تھی گھر پر کوئی نہیں تھا۔ ملازمہ نے ایک دو بار دستک دی تھی لیکن اس نے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ بڑی دیر بعد جب وہ روتے، روتے تھک گئی تو اٹھی تھی۔

''میں اپنے بچوں کو کسی بدکردار شخص کے سائے تلے نہیں پلنے دوں گی...... بھلے ان کی زندگی میں کوئی خلا ہو یا کوئی کمی......'' اس کے دل میں اب مدثر کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں تھا...... دل کی زمین پر نفرت کے کیکٹس تھے جن کے کانٹے خود اس کے اپنے دل کو بھی زخمی کرتے تھے لیکن نفرتوں کے پودوں پر اب محبتوں کے پھول کبھی نہیں کھلنے تھے اس نے منہ ہاتھ دھو کر مدثر کا نمبر ملایا تھا۔

''ہیلو......'' مدثر کی آواز سن کر ایک لمحے کے لیے اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اسے لگا تھا وہ اس فریبی شخص سے کبھی بات نہیں کر سکے گی اس کی ہیلو اس کی سماعت پر جیسے کسی ہتھوڑے کی طرح پڑی تھی۔

''ہیلو......'' مدثر نے پھر کہا تھا۔

''یہ تم ہو نا، میں تمہاری خوشبو سے بھی پہچان لیتا ہوں۔''

''اور کس، کس کو اس کی خوشبو سے پہچانتے ہو؟'' وہ بولی تو اس کی آواز بے حد سرد اور ٹھنڈی تھی۔ لیکن اس نے شاید محسوس نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی آواز میں ایک چہکار اور ایک سرخوشی سی تھی۔

''بابا جان، ایما کا فون ہے۔'' اس نے بابا جان کو بتایا تھا وہ شاید قریب ہی بیٹھے تھے اور پھر اسی چہکتی آواز

میں اس نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''تھینک یو ڈیر...... تم نے بچوں کی خاطر ہی سہی گھر آنے کا فیصلہ تو کیا...... مجھے یقین ہے میں بہت جلد تمہاری غلط فہمی دور کر دوں گا...... کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی تو وہ لڑکی مجھے دوبارہ نظر آئے گی۔''

''میری غلط فہمی دور ہو چکی مدثر حسن صاحب کیونکہ وہ لڑکی خود چل کر میرے پاس آگئی ہے۔'' اس کی آواز اب بھی اتنی ہی سرد اور بے مہر تھی۔

''رئیلی جانم......'' وہ چہکا تھا۔ ''مجھے یقین تھا۔''

''بس مسٹر مدثر حسن...... بس......'' اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ ''وہ لڑکی میرے پاس آئی تھی لیکن تمہاری بے گناہی ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ تم اس کے بچے کے باپ بننے والے ہو، تم اتنے گھٹیا ہو میں تصور نہیں کر سکتی تھی۔ تم اتنا گر سکتے ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' اس کی آواز میں پہلے سے زیادہ... سرد مہری تھی۔

سیڑھیوں سے اترتے بابر نے حیرت سے اسے دیکھا اور قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تم ابھی تک یہاں بیٹھی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......''

''ہاں......'' اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔'' اس کے لہجے میں ایسی تھکن تھی جیسے کہیں دور کا سفر طے کر کے آئی ہو۔ ہاں اس کے ماضی کا سفر تھکا دینے والا ہی تو تھا۔

''پھر کوئی فون آیا تھا کیا؟'' اس نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں......'' ایمل نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ عنبرین نے یہاں کیوں فون کیا تھا اور وہ کیوں ایمل سے بات کرنا چاہتی تھی...... اس نے اپنے بیڈ روم میں جا کر کتنی ہی بار عنبرین کا نمبر ملایا تھا لیکن عنبرین فون ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ کیا اس کے دل میں کوئی چور تھا...... اس نے اس کی آواز سن کر فون بند کر دیا تھا...... وہ الجھ گیا تھا سو اس نے اسی وقت لاہور جانے کا فیصلہ کیا تھا...... اس میں فوری فیصلے کرنے کی صلاحیت تھی اور زندگی میں جب، جب اس نے فوری فیصلے کیے تھے وہ پچھتایا نہیں تھا...... عنبرین اگر اب ایمل کو سب کچھ بتا بھی دیتی تو کچھ خاص فرق پڑنے والا نہیں تھا اور یہ بات عنبرین بھی جانتی تھی پھر یہاں فون کرنے کا مقصد......

''میں ایک دو روز کے لیے لاہور جا رہا ہوں۔'' اس نے ایمل کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

ایمل نے پہلی بار اس کے ہاتھ میں موجود بریف کیس کی طرف دیکھا۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتی...... آپ مجھے بتا دیتے تو...... ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی...... ان سے مل لیتی، انہیں دیکھ لیتی تو......'' اس کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ محسوس کر کے بابر مسکرایا۔

''بس اچانک ابھی چند منٹ پہلے ہی آفس سے فون آیا ہے۔ بہت ضروری کام ہے، پہلے سے پروگرام نہیں تھا...... ایمرجنسی میں جانا پڑ رہا ہے۔ تھینک گاڈ کہ ایک سیٹ مل گئی ہے۔ تمہیں پتا تو ہے ان دنوں بزنس کے معاملات کچھ گڑبڑ سے ہیں۔ جن کی وجہ سے اپ سیٹ ہوں...... ایک بندے سے ملنا ہے، اچھا بزنس ملنے کی امید ہے۔''

''آپ ممی سے ملیں گے ناں......'' ایمل نے پوچھا۔

''کیوں نہیں، کام سے فارغ ہو کر سیدھا ممی کی طرف ہی جاؤں گا۔ اگر ممی کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو انہیں اپنے ساتھ ہی لے آؤں گا۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا ناں کہ عدت کے بعد وہ کراچی آئیں گی لیکن پھر نہیں آئیں......''

''ہاں یہ اچھا ہے۔'' ایمل خوش ہو گئی۔ ''آپ ممی کو ساتھ ہی لے آیئے گا...... میں بھی ممی سے کہوں گی کہ وہ آپ کے ساتھ ہی آ جائیں۔''

''ہاں ٹھیک ہے، تم فون کر دینا لیکن اگر مجھے لگا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو میں تمہیں فون کر دوں گا تم افنان کے ساتھ آ جانا بلکہ رتی کو بھی لے آنا...... تاہم میری پہلی کوشش تو یہی ہوگی کہ انہیں ساتھ ہی لے آؤں۔''

ایمل دل ہی دل میں اس کی ممنون ہوئی تھی۔

''ڈونٹ وری ایما...... ممی انشاء اللہ ٹھیک ہوں گی۔'' اس نے ایمل کا بازو تھپتھپایا اور لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆
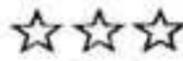
عنبرین صوفے پر خاموش بیٹھی سامنے ٹیبل پر پڑے فون کو خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جو مسلسل بج رہا تھا لیکن اس نے فون اٹھانے کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔ کچھ دیر بعد بیل آنا بند ہوگئی تو اس نے ایک گہری سانس لی۔ فون کی بیل وقفے، وقفے سے ہو رہی تھی اور فون اٹھائے بغیر بھی وہ جانتی تھی کہ یہ بابر کا فون ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بابر اسے فون کیوں کر رہا ہے اور وہ اس سے کیا پوچھنے والا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ بابر کو کیسے مطمئن کرے گی اور اس سے کیا کہے گی کہ اس نے ایمل کو فون کیوں کیا...... سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس نے ایمل کو فون کیوں کیا تھا وہ اپنے contacts چیک کر رہی تھی کہ اس کی نظر اس نمبر پر پڑی تھی جو اس نے R,home کے نام سے سیو کر رکھا تھا۔ یہ نمبر اس نے رتی کے فون سے لیا تھا اس روز جب ارتقاع اس کے گھر آئی تھی اور بابر لاؤنج سے باہر نکل کر کاریڈور میں کھڑا اپنے فون پر کسی سے بات کر رہا تھا کہ رتی اپنا فون ٹیبل پر رکھ کر واش روم گئی تھی تو اس نے یونہی بلا مقصد اس کا فون اٹھایا تھا اسے یہ اسمارٹ فون اچھا لگا تھا...... contacts میں sweet home کے نام سے موجود نمبر کو اس نے فوراً ہی اپنے فون میں محفوظ کر لیا تھا اور پھر بابر کے قدموں کی آہٹ پر اس نے فون فوراً ٹیبل پر رکھ دیا تھا جہاں ارتقاع چھوڑ کر گئی تھی۔ شاید اس کے ذہن میں کہیں ایمل کا نمبر جاننے کی خواہش تھی، یہ خواہش کیوں تھی وہ نہیں جانتی تھی۔ بابر اپنا فون بہت سنبھال کر رکھتا تھا۔ ایک بار اس نے اس کا فون اٹھایا تھا تو بابر نے اسے بہت بری طرح ڈانٹا تھا اور کہا تھا کہ اگر آئندہ اس نے اس کا فون اٹھایا تو وہ اس کے ہاتھ توڑ دے گا۔ یہ الگ بات تھی کہ بابر نے اس کے بعد کبھی اسے فون اٹھانے کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ واش روم بھی جاتا تو فون ساتھ لے جاتا تھا، پتا نہیں بابر کو اس سے کیا خطرہ تھا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ وہ اس کے فون سے ایمل کا نمبر لے کر اس سے کوئی بات نہ کر لے، کوئی ایسی بات جو ایمل کو بابر سے متنفر کر دے......

حالانکہ اگر وہ ایسا کرنا چاہتی تو اس کے لیے ایمل کا نمبر حاصل کرنا ناممکن نہیں تھا...... اسے ''حامد ولا'' کا پتا تھا وہ وہاں جا کر اس کی ممی سے ایمل کا نمبر معلوم کر سکتی تھی لیکن اس نے کبھی ایمل سے بات کرنے یا اسے کچھ بتانے کے متعلق نہیں سوچا تھا اور اب بھی اس نے ارتقاع کے فون سے غیر ارادی طور پر یہ نمبر لیا تھا اور جب وہ نمبر ملا رہی تھی تب بھی اس کے ذہن میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ اسے ایمل سے کوئی خاص بات کرنی ہے لیکن جب ایمل نے ہیلو کہہ کر جواب دیا تھا کہ وہی مسز بابر ہے تو اس کے ذہن میں ایک کشمکش جاری ہوگئی تھی۔ بہت سارے دنوں سے اس کے دل پر ایک بوجھ سا دھرا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ وہ دل کو اس بوجھ سے آزاد کر لے، وہ اس عورت سے بات کرنا چاہتی تھی جس کا گھر برباد کرنے میں اس نے ایک اہم کردار ادا کیا تھا...... لیکن بابر کی آواز سنتے ہی خوف زدہ ہو کر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ کبھی، کبھی وہ یونہی بابر سے خوف زدہ ہو جاتی تھی اسے لگتا تھا جیسے اگر کبھی اس نے بابر کی مرضی کے خلاف کچھ کیا تو بابر کے لیے یہ مشکل نہیں ہوگا کہ اس کی زندگی ختم کر دے اور اسے زندگی سے بہت پیار تھا اس نے کبھی کچھ ایسا نہیں کیا تھا جو بابر کو ناراض یا خفا کر دے وہ اب بھی بابر کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بابر کو ناراض کر چکی تھی اس نے بابر کی کال اٹینڈ نہیں کی تھی اور مسلسل اگنور کر رہی تھی۔ فوری طور پر اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ بابر سے کیا کہے...... بابر کا کیا ردِعمل ہوگا وہ اس کے متعلق اندازہ نہیں کر سکتی تھی۔ اتنے سالوں کے بعد بھی وہ بابر کو پوری

طرح سمجھ نہیں پائی تھی کبھی تو وہ بہت مہربان ہوتا اتنا کہ وہ اس کی ہر بات مان لیتا اور کبھی اتنا سخت کہ معمولی سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتا...... وہ بڑی عجیب سی زندگی گزار رہی تھی لیکن یہ زندگی اس نے خود چنی تھی۔ پیسے کے معاملے میں بابر نے کبھی کنجوسی نہیں کی تھی۔ وہ ہر ماہ باقاعدگی سے اسے خرچ کے لیے ضرورت سے زیادہ ہی دے دیتا تھا لیکن خود وہ مہینے میں کبھی ایک بار کبھی دو بار چکر لگاتا تھا۔ شروع، شروع میں تو دو، دو، تین، تین مہینے بعد آتا تھا۔ اس کی کسی سے دوستی نہ تھی۔ وہ شاپنگ کے علاوہ بہت کم گھر سے باہر نکلتی تھی۔ اور اب تو بلاوجہ شاپنگ کا شوق بھی ختم ہو چکا تھا۔ میکے سے یوں بھی اس کا تعلق ٹوٹ چکا تھا اور میکے میں تھا ہی کون سوائے اماں کے اور ان کے بعد تو وہ در بھی بند ہو گیا تھا۔

بہت سارا وقت خواب دیکھتے گزر چکا تھا لیکن اب اس کا دل گھبراتا تھا اب اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کی بہنیں، بھانجیاں، بھانجے اس کے گھر آیا کریں تاکہ کچھ دیر کے لیے ہی سہی اس فلیٹ کی جان لیوا خاموشی ٹوٹے اور سب سے بڑھ کر اسے اپنی بیٹی یاد آتی تھی، اپنے خوابوں کے پیچھے بھاگتے، بھاگتے اس نے کیا کچھ گنوا دیا تھا کبھی اپنا احتساب کرنے بیٹھتی تو اسے لگتا جیسے سود و زیاں کے اس سفر میں اس نے صرف کھویا ہی کھویا ہے...... جب کبھی وہ سوچتی صرف بابر سے شادی کرنے کے لیے اس نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔اس کے دل پر بوجھ سا آ گرتا تھا۔ بھاری بوجھ جس سے دل پھٹنے لگتا تھا۔ وہ بابر سے شادی کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی اسے چاہ تھی لیکن بابر بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہے یا نہیں اس کا وہ اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا اس کا یقین اسے بہت بعد میں ہوا تھا اور تب وہ شاید بابر سے محبت بھی کرنے لگی تھی یا شاید اسے لگا تھا کہ وہ بابر سے محبت کرنے لگی ہے۔ یا اس محبت کے پیچھے یہ احساس بھی چھپا تھا کہ اگر بابر نے اس سے شادی نہ کی تو شاید اسے کوئی اور چانس نہ ملے...... ایک اچھی زندگی گزارنے کا اس کا خواب پورا نہ ہو کیونکہ اماں نے بھی وارننگ دے دی تھی کہ اگر وہ لڑکا اس کا رشتہ لے کر نہیں آتا تو وہ شبر دکاندار کو ہاں کر دیں گی...... سو اسے ہر قیمت پر بابر سے شادی کرنا تھی لیکن بابر...... وہ اسے باہر لے کر جاتا تھا...... کتنی ہی بار انہوں نے اکٹھا لنچ کیا تھا وہ وقتاً فوقتاً اسے تحائف دیتا رہا تھا اور تحائف دینے کے لیے اسے کسی موقع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

''بازار گیا تو یہ واچ اچھی لگی، تمہارے لیے لے لی۔''

''آپا کے لیے ہینڈ بیگ لینے گیا تو تمہارے لیے بھی لے لیا۔'' وہ بابر کے تحائف پا کر بہت خوش ہوتی تھی اور اماں کو بھی ضرور دکھاتی تھی۔ اماں نے کبھی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن ان کی نظریں اسے ہمیشہ شرمندہ کر دیتی تھیں۔

''صرف تحفوں سے زندگی کا سفر طے نہیں ہوتا...... یہ امیر زادے تم ایسی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتے۔'' بس ایک بار انہوں نے کہا تھا۔

''بابر ایسا نہیں ہے اماں......'' اس نے اس کا دفاع کیا تھا۔

''تو اس سے کہو کہ اپنے اماں، ابا کو بھیجے رشتے کے لیے۔''

لیکن وہ یہ بات بابر سے کیسے کہتی، کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ ہر طرح اس کا خیال رکھتا تھا...... اسے اپنی بیسٹ فرینڈ کہتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے یا یہ کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے......

اس روز وہ بڑے دل سے تیار ہوئی تھی اور بابر نے بھی بے اختیار سراہا تھا۔

''آج بہت پیاری لگ رہی ہو'' اس کی ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ ذرا کا رکا تھا۔

''صرف آج...... کیا پہلے کبھی پیاری نہیں لگی؟'' اس نے بے حد ادا سے اسے دیکھا تھا۔

''ہمیشہ ہی لگتی ہو سوئٹ لیکن آج تو قیامت ڈھا رہی ہو۔'' دونوں ہاتھ اس کی ٹیبل پر رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکتے

ہوئے وہ مسکرایا تھا اور وہ پورے دل سے مسکرائی تھی۔

''سنو آج لنچ کے لیے باہر چلتے ہیں۔'' ہمیشہ بابر ہی اسے دعوت دیتا تھا لیکن آج اس نے اسے دعوت دی تھی۔

''غلام حاضر ہے لیکن جناب یہ لنچ کس خوشی میں۔''

''بس یونہی...... آج آپ سے باتیں کرنے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔''

وہ گھر سے فیصلہ کر کے آئی تھی کہ اگر اظہار میں بابر پہل نہیں کر رہا تو وہ خود پہل کر دے گی۔

''گڈ...... یوں بھی بہت دن ہو گئے تھے ہمیں اکٹھا لنچ کیے ہوئے...... اگر تم نہ کہتیں تو میں تمہیں لنچ کی آفر کرنے ہی والا تھا۔''

بابر اپنے روم کی طرف چلا گیا تھا اور اس روز کھانے کے وقفے میں اپنے مخصوص ریسٹورنٹ میں جو اُن کے آفس سے نزدیک ہی تھا کھانا کھاتے ہوئے اس نے اعتراف کیا تھا۔

''بابر میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

''جانتا ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا۔ ''آئی...... لو یو ٹو......''

اور یہ ایک جملہ سننے کے لیے اس نے دو سال انتظار کیا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے اس کے اردگرد ہر چیز رقصاں ہو' وہ جو دل میں سوچ کر آئی تھی کہ آج وہ بابر سے شادی کے متعلق بھی بات کرے گی اس کے اعترافِ محبت کے بعد سب کچھ بھول گئی تھی۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا تو ظاہر ہے شادی بھی کر لیتا...... وہ دن اس کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ اس روز بابر کے سامنے بیٹھے وہ اس سے چھوٹی، چھوٹی باتیں کرتی رہی تھی۔ اپنے خواب، اپنی خواہشیں اور بابر دھیمے، دھیمے مسکراتا رہا تھا۔ اس روز پہلی بار بابر نے کچھ وعدے اس کی مٹھی میں تھمائے تھے اور اس نے بھی کچھ عہد و پیمان کیے تھے۔ عمر بھر ساتھ نبھانے کے اور واپس آفس آتے ہوئے بابر نے اسے یاد دہانی کروائی تھی کہ وہ اس پر سب سے زیادہ بھروسا کرتا ہے' اپنے دوستوں سے بھی زیادہ اور وہ واحد ہستی ہے جس کے ساتھ وہ اپنے سیکرٹ شیئر کرتا ہے۔

ایک بار پہلے بھی وہ یہی بات کر چکا تھا اور اس نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ کبھی اس کا بھروسا نہیں توڑے گی اور یہ اس سے صرف تین دن بعد کی بات تھی جب بابر نے اسے مدثر سے ملنے اور وہ سارا ڈراما کرنے کو کہا تھا۔

''یہ سب کیا ہے بابر......؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''صرف ایک چھوٹی سی شرارت یا مذاق......'' اس نے اپنے سامنے اسے مدثر حسن کو فون کروایا تھا۔

''یہ مذاق کچھ عجیب سا نہیں......؟''

''یار یہ مذاق ہے بس شرارت...... عجیب کیا ہے اس میں، میں دیکھنا چاہتا ہوں اس کا باپ کتنا ایماندار ہے اور وہ خود کتنے پانی میں ہے۔'' لیکن چند دنوں بعد ہی اس نے جان لیا تھا کہ یہ نہ تو شرارت تھی نہ مذاق یہ تو کچھ اور ہی تھا کوئی بڑی بات، کوئی دشمنی، کوئی انتقام، کوئی سازش...... اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس سازش کا حصہ بننا پڑا تھا کیونکہ بابر ایسا چاہتا تھا اور بابر نوید وہ شخص تھا جو اسے وہ زندگی دینے والا تھا جس کے خواب وہ بچپن سے دیکھتی چلی آئی تھی اس روز وہ آفس آیا تو کچھ اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

''سنو کچھ دیر بعد چھٹی لے کر باہر آ جاؤ۔'' اس کی ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ خود وہ فوراً ہی غالباً چھٹی لے کر چلا گیا تھا۔ اس کا دل خوشگوار انداز میں دھڑکا تھا۔

''کیا وہ اسے پرپوز کرنے والا ہے۔'' کل ہی تو اس نے بابر سے کہا تھا کہ ''اماں شادی جلد کرنا چاہتی ہیں۔ دو تین بہت اچھے رشتے ہیں، اگر تم اپنے والدین کو بھیج دو تو...... اماں مزید انتظار نہیں کریں گی۔''

''ہاں...... ہاں تم پریشان مت ہو، بہت جلد میں انہیں بھیجوں گا بس ابھی تم انہیں کسی طرح ٹال دو۔''

''لیکن بابر میں اماں کو بہت دیر تک روک نہیں پاؤں گی۔ انہیں ایک رشتہ بہت پسند ہے۔'' وہ چاہتی تھی کہ یہ معاملہ جلد از جلد نپٹ جائے ورنہ دو تین تو کیا ایک رشتہ بھی نہیں تھا۔ شبر کا نمدار کو جواب دینے کے بعد اماں نے خاموشی اختیار کرلی تھی......

''اوکے یار...... آج بات کرتا ہوں گھر والوں سے۔'' اس نے وعدہ کیا تھا اور اب وہ اسے باہر بلا رہا تھا تو...... پتا نہیں کیا کہنے والا تھا...... وہ کچھ ڈسٹرب لگ رہا تھا کہیں اس کے والدین نے منع تو نہیں کردیا لرزتے ہاتھوں سے اس نے درخواست لکھی تھی اور کچھ ہی دیر بعد وہ باس کے سامنے کھڑی تھی۔

''سر وہ میری اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے انہیں لے کر اسپتال جانا ہے اگر اسپتال سے جلدی فارغ ہوگئی تو واپس آجاؤں گی۔''

''اوکے......'' یہ ادھیڑ عمر باس اچھا آدمی تھا اور سب ورکر کے ساتھ اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ بابر پارکنگ میں ہی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا...... اسے دیکھتے ہی اس نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ آج پہلی بار وہ اس کے ساتھ نہیں جارہی تھی بلکہ کئی بار وہ نزدیکی ریسٹورنٹ میں جانے کے بجائے کہیں اور چلے جاتے تھے لیکن آج اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پتا نہیں بابر اس سے کیا کہنے والا تھا۔ لیکن جب اپنے پسندیدہ کیفے میں چائے پیتے ہوئے بابر نے اپنا مدعا بیان کیا تو وہ لمحے بھر کو حیران سی اسے دیکھتی رہی تھی۔

''لیکن بابر یہ سب تو جھوٹ ہے ناں......''

''ہاں تو پہلے بھی تو تم نے جھوٹ بولا تھا ناں......''

''لیکن وہ ایک بے ضرر سا جھوٹ تھا بابر اور یہ...... یہ تو کسی شخص پر الزام ہے...... ایسا الزام جس کے نتیجے میں اس شخص کی گھریلو زندگی متاثر ہوسکتی ہے۔''

''لیکن جب میں ان دونوں کو بتادوں گا کہ یہ سب ڈراما تھا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' بابر مسکرایا تھا۔

''لیکن یہ بہت سنگین مذاق ہے بابر اور میں......''

''اوکے ایز یو وش......!'' بابر کے لہجے کی ناراضی نے اور اس کے چہرے کے تاثرات نے اسے پریشان کردیا تھا۔ بابر کی ناراضی کا مطلب تھا......

''بابر...... وہ...... میں......'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا جسے اس نے سختی سے پیچھے ہٹادیا تھا۔

''لیو اٹ عنبرین...... ناؤ کلوز دس ٹاپک۔''

''بابر پلیز......''

''میں تم پر سب سے زیادہ بھروسا کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اگر میں تمہیں کنویں میں بھی چھلانگ لگانے کو کہوں گا تو تم بلاجھجک چھلانگ لگادوگی بغیر کوئی سوال کیے...... لیکن تم نے اتنی سی بات پر آرگیو کیا، میں سمجھتا تھا کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو...... اور محبت میں تو سوال جواب نہیں ہوتے...... کیوں......؟ کہاں نہیں ہوتا عشق و محبت تو بے دھڑک کود جانے کا نام ہے۔'' اور وہ ہار گئی تھی۔

''اوکے، بتاؤ کیا کرنا ہے۔'' اور لڑکیاں جس سے محبت کرتی ہیں یونہی اسی طرح اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہیں اور اس سے اس نے سوچا تھا کہ وہ واقعی بابر سے محبت کرنے لگی ہے۔ ورنہ اس کے ڈرامے کا حصہ نہ بنتی اور

پھر اسکرپٹ تو بابر کا تھا ایکٹ اس نے کیا تھا۔
''حیران کن......'' بابر نے جب اس روز اسے حامد ولا کے نزدیک اسٹاپ سے پک کیا تھا تو کہا تھا۔
''یار تم تو غضب کی اداکارہ ہو۔''
بابر کو خود اس نے اپنی کارکردگی بتائی تھی لیکن سب کچھ بتانے کے بعد اس کا دل بجھ گیا تھا۔ پھر بابر کی تعریف بھی اسے خوش نہیں کرسکی تھی۔ اس کے دل پر ایک ان دیکھا بوجھ سا آپڑا تھا۔ ایمل کے سوجے ہوئے پاؤں، اس کی جسمانی کیفیت بتارہی تھی کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ وہ سب سن کر ساکت رہ گئی تھی اس کی خاموشی بے حد سنگین تھی۔ اگر اس لڑکی کو کچھ ہوگیا تو...... اس حالت میں یہ صدمہ...... کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ یہ محض شرارت نہیں تھی، یہ تو بابر نے کوئی دشمنی نبھائی تھی اور کوئی انتقام لیا تھا...... وہ لڑکی بات کیے بغیر لاؤنج سے چلی گئی تھی اور وہ مردہ قدموں سے لاؤنج سے نکلی تھی اور ٹرالی دھکیلتی ملازمہ نے اسے بے حد حیرت سے دیکھا تھا۔
''آپ...... چائے......''
لیکن وہ رکے بغیر تیزی سے اندرونی گیٹ کھولتی تیز، تیز قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ سے نکل گئی تھی۔ شاید اس نے غلط کیا تھا بلکہ یقیناً غلط کیا تھا لیکن وہ بابر کو ناراض بھی نہیں کرسکتی تھی۔ سو غلط تھا یا صحیح اس نے اپنے دل کو مطمئن کرلیا تھا یہ سوچ کر کہ ہوسکتا ہے بابر نے صحیح کہا ہو، ہوسکتا ہے یہ محض مذاق ہو...... اور اگر کچھ غلط فہمی ہے تو اس میں بھلا میرا کیا قصور...... میں نے تو سب کچھ بابر کے کہنے پر کیا ہے...... اور پھر بہت سارے دن گزر گئے بابر بہت کم آفس آیا تھا اور اس کی دو تین بار بابر سے سرسری سی ملاقات ہوئی تھی...... اور بابر نے بتایا تھا کہ اس کی کوئی کزن اسپتال میں ایڈمٹ ہے اس لیے وہ چھٹیاں کررہا تھا۔ پھر وہ آفس بھی آنے لگا لیکن عنبرین سے کم ہی بات ہوتی تھی اس نے گلہ کیا تو تسلی دی۔
''کچھ فیملی پرابلمز ہیں عنبرین...... سو ان دنوں تمہیں وقت نہیں دے پارہا لیکن بہت جلد سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' مزید ایک ماہ گزر گیا وہ منتظر ہی رہی کہ بابر اپنے والدین کو بھیجنے کی بات کرے گا پھر اس نے سنا اس نے ون منتھ نوٹس دے دیا ہے اور وہ جاب چھوڑنے والا ہے۔
''کیا واقعی تم جاب چھوڑ رہے ہو بابر......'' اس روز وہ اس کے کیبن میں چلی گئی تھی۔
''ہاں......'' بابر نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی تھی۔ ''تم جانتی ہو میں نے جاب صرف تجربہ حاصل کرنے کے لیے کی تھی اور اب میں اپنا بزنس سیٹ کروں گا۔''
وہ اندر ہی اندر پریشان ہوئی تھی...... اگر بابر چلا گیا تو کیا پھر کبھی اس کی بابر سے ملاقات ہوسکے گی...... اور کیا بابر اب اس سے شادی نہیں کرے گا۔ اور بابر اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت دیکھ کر مسکرایا تھا۔
''پریشان کیوں ہوتی ہو...... میں جاب چھوڑ رہا ہوں...... دنیا تو نہیں چھوڑ رہا...... انشاء اللہ ملاقات ہوتی رہے گی...... ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔''
''دوست......؟'' اس نے متوحش نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''اور شادی......''
''ہاں شادی...... ظاہر ہے وہ بھی کرنی ہے لیکن اس موضوع پر ہم پھر بات کریں گے۔ اس وقت میں بزی ہوں...... جو رپورٹ میں تیار کررہا تھا باس نے کہا ہے کہ جانے سے پہلے وہ مکمل کرکے دوں...... ایک دو روز تک باہر کہیں کھانا کھاتے ہیں۔ سکون سے بات کریں گے۔''
''ٹھیک ہے لیکن تم نے اپنے والدین سے بات کی بابر...... تمہیں پتا ہے ناں اماں بہت جلد میرے فرض سے

سبکدوش ہونا چاہتی ہے۔'' جاتے، جاتے اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں کی ہے بات...... یار پریشان مت ہو۔'' وہ مسکرایا تھا۔

اور اس کے بے چین اور مضطرب دل کو قرار سا آ گیا تھا اور اس نے اماں کو بھی بتا دیا تھا کہ بابر نے اپنے والدین سے بات کرلی ہے اور وہ جلد آئیں گے۔

لیکن یہ ایک دو روز پورے پچیس دن پر محیط ہو گئے تھے۔ اس روز آفس میں اس کا آخری دن تھا جب وہ اس کے ساتھ اس کے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں آئی تھی۔ بابر کا موڈ بے حد اچھا تھا اور اتنے دنوں بعد بابر کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے وہ بھی بے حد خوش تھی لیکن یہ خوشی بس چند لمحوں کی... ہی تھی۔ کھانا آرڈر کرنے کے بعد بابر نے کہا تھا۔

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے عنبرین۔''

''کیسا مسئلہ......؟'' وہ متوحش سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''دراصل جب میں نے اماں سے بات کی تمہارے متعلق تو انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنی کزن سے شادی کرلوں۔'' بابر نے نظریں جھکا لی تھیں۔

''اور تم مجبور ہو گئے بابر......''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں اور وہ جو اتنے دنوں سے اماں سے کہہ رہی تھی کہ بابر بہت جلد اپنا رشتہ بھجوانے والا ہے اور بابر وہ شخص ہے جو واقعی اسے ڈیزرو کرتا ہے، اب......

اس کے تصور میں اماں کی تاسف بھری اور اپنی بہنوں کی تمسخر اڑاتی نظریں آ گئیں۔

''ہاں...... میں مجبور ہو گیا عنبرین کیونکہ میری کزن...... نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی تھی اور یہ طلاق میری ایک معمولی سی غلطی کی وجہ سے ہوئی سو مجھے ہی اپنی غلطی کی تلافی کرنا ہے۔''

''تمہاری وجہ سے طلاق......؟''

''اوہ...... ہاں...... میرے خیال میں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔''

اسے لگا تھا جیسے روانی میں اپنی کہی جانے والی بات پر وہ پچھتا رہا ہے اور اب بات بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے اندر کچھ کلک ہوا تھا۔

''ایمل سے...... تم ایمل سے شادی کر رہے ہو بابر......؟''

''نہیں...... ہاں......'' وہ گھبرا سا گیا تھا۔

''وہ دراصل اس نے مدثر سے طلاق لے لی ہے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ری ایکٹ کرے گی۔ میں نے تو بس ایک چھوٹا سا مذاق کیا تھا...... تو...... اس کی عدت کے بعد......''

''نہیں...... وہ مذاق نہیں تھا بابر......'' وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ ''تم نے باقاعدہ پلاننگ سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے مجھے استعمال کیا تھا...... تم ایمل سے شادی کرنا چاہتے تھے...... اور کسی وجہ سے تمہاری شادی اس سے نہیں ہو سکی اور تم نے ایک شخص پر جھوٹا الزام لگا کر سازش سے......''

''بس عنبرین...... بس کرو اندازے لگانا......'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا تھا۔

''میں نے واقعی کسی بری نیت سے ایسا نہیں کیا تھا، وہ تو ایمل کہتی تھی کہ اسے مدثر پر بہت بھروسا ہے اور یہ کہ کچھ بھی ہو جائے اس کا بھروسا نہیں ٹوٹ سکتا...... تو میں اسے......'' وہ سوچ، سوچ کر بول رہا تھا اور عنبرین گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ جو کہہ رہا ہے وہ سچ نہیں ہے۔ سچ کیا تھا وہ اسے کھوجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سب کچھ روزِ روشن کی طرح عیاں تھا پھر بھی شاید اپنے دل کی تسلی کے لیے اس نے بابر کی بات کاٹی تھی۔

''تو کیا تم نے ایمل اور مدثر کو سب سچ بتا کر اُن سے معافی مانگ لی اور انہوں نے تمہیں معاف بھی کر دیا۔''

''ہاں......'' اس نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اور انہوں نے تمہیں معاف کر دیا کتنا بڑا ظرف ہے ان کا اور نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ایمل تم سے شادی کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئی۔ پھر تو مجھے بھی ایمل سے معافی مانگ لینی چاہیے اور مدثر سے بھی...... آخر میں بھی تو اس ڈرامے کا ایک کردار ہوں۔''

''نہیں، نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' بابر نے بے ساختہ کہا تھا۔

''کیوں...... کیا وہ مجھے معاف نہیں کرے گی؟'' اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ''اگر وہ تمہیں معاف کر کے تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو سکتی ہے تو مجھے کیوں معاف نہیں کرے گی جبکہ میں تو اس ڈرامے کا صرف ایک کردار تھی رائٹر تو تم تھے ناں...... میں نے تو جو کچھ کیا تمہارے کہنے پر کیا...... جب میں اسے سب کچھ بتاؤں گی تو وہ ضرور مجھے بھی معاف کر دے گی...... میں اسے بتا دوں گی کہ چونکہ میں تم سے محبت کرتی تھی اس لیے تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کر سکی اور ہر محبت کرنے والے کی طرح مجھے تمہاری ہر بات سچ لگتی تھی کہ تم صرف مذاق......''

''میں کہہ رہا ہوں ناں...... اس کی ضرورت نہیں ہے، تم ایمل کے گھر نہیں جاؤ گی۔'' بابر نے سختی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ لیکن وہ اس کے لہجے کی سختی سے متاثر ہوئے بغیر بولی تھی۔

''کیوں نہیں جاؤں گی؟ تم چاہتے ہو کہ ساری زندگی اس بوجھ کے ساتھ جیوں کہ میں نے وہ کام کیا جو شیطان کا شیوہ ہے، میاں، بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کا کام...... میں نے ایک ہنستے بستے جوڑے کا گھر برباد کیا...... میں ضرور جاؤں گی بابر بلکہ ابھی جاؤں گی اور ایمل کو سب لفظ، لفظ بتا کر معافی مانگوں گی...... میں اپنے ضمیر پر یہ بوجھ لے کر نہیں جی سکتی۔'' وہ تیزی سے ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھی تھی اور بابر نے جھلا کر ویٹر کو آواز دے کر بل لانے کو کہا تھا اور پھر پلیٹ میں بل کی رقم رکھتا تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا۔ وہ اپنا آخری پتا کھیل کر تیزی سے باہر جا رہی تھی...... اس وقت حقیقتاً وہ دُہرے عذاب میں تھی۔ بابر نے اس سے شادی نہیں کرنا تھی اس نے اسے استعمال کیا تھا اور وہ اپنی خواہشوں کی طلب میں استعمال ہو گئی تھی اور اس نے ایک گھر اجاڑ دیا تھا صرف بابر کے ساتھ اپنا گھر بنانے کی چاہ میں اور اس کا گھر پھر بھی نہیں بن سکا تھا۔

آنسو اس کے حلق میں گر رہے تھے۔ اس نے اپنی چال چل لی تھی...... نہیں جانتی تھی کہ نتیجہ کیا نکلے گا لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ بابر کو بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

''سنو تو عنبرین پلیز رکو تو......'' بابر نے قریب آتے ہوئے کہا تھا۔

وہ ذرا کی ذرا رکی تھی۔

''کیا سنوں......؟'' اور پھر تیز، تیز چلنے لگی تھی۔

"I love you Ambreen I am really love you"

اب وہ اس کے ساتھ، ساتھ چل رہا تھا۔

''میں نے بھی تم سے بہت محبت کی ہے، بہت چاہتی ہوں میں تمہیں، میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ لیکن خیر اب اس ذکر کا کیا فائدہ......'' اس نے لمحے بھر کے توقف کے بعد پھر کہا تھا۔

''ایمل اور مدثر مجھے معاف کر دیں گے تو کم از کم دل پر دہرا یہ بوجھ تو کم ہو جائے گا۔ تم ایمل کے ساتھ خوش رہو بابر میں......''

''میں تمہارے بغیر کیسے خوش رہ سکتا ہوں۔'' بابر نے اس کی بات کاٹی تھی۔
''اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میں بھی تم سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں بغیر کسی غرض اور لالچ کے...... میں بھی تمہاری ہی رفاقت میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں لیکن تم نے میری پوری بات سنی ہی نہیں اور اٹھ کر چل دیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ میں ایمل کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ کیونکہ وہ میری ماں کی سگی بھانجی ہے اور پھر میری ہی غلطی سے اس کا گھر ٹوٹا...... لیکن میں تم سے بھی شادی کروں گا۔ عنبرین بس تمہارے ساتھ شادی کے لیے میرے والدین رضامند نہیں، اس شادی میں ان کی مرضی شامل نہیں ہوگی...... میں اکیلا آؤں گا تمہاری اماں سے تمہارا ہاتھ مانگنے...... تم جانتی ہو میں دو بیویوں کو افورڈ کرسکتا ہوں...... مجھے تم سے ہی پوچھنا تھا کہ اس صورتِ حال میں کیا تم مجھے قبول کرلوگی...... تمہاری اماں کوئی اعتراض تو نہیں کریں گی؟''
''میں اماں کو منالوں گی۔''
''تو ٹھیک ہے، میں کل ہی تمہاری اماں سے ملوں گا۔''
''کل کا مطلب کل ہی ہے نا، میں زیادہ......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور اسے بات مکمل کرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ جو بات بابر کو سمجھانا چاہتی تھی وہ جانتی تھی کہ بابر نے وہ بات سمجھ لی ہے...... اماں کو راضی کرنا مشکل نہ تھا...... انہوں نے بہت پہلے ہی اس کے معاملات سے ہاتھ اٹھالیا تھا...... تاہم اس نے اماں کو اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ بابر جب اس کا رشتہ مانگنے آئے تو وہ اسے دو تین دن کے اندر، اندر نکاح کرنے پر مجبور کریں...... کیونکہ ایمل سے شادی کرنے کے بعد ممکن تھا کہ بابر اس سے شادی نہ کرتا...... ابھی ایمل کی عدت پوری ہونے میں کافی دن تھے اور وہ بابر کو مجبور کرسکتی تھی...... وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے پتے کھیل رہی تھی اور اسے پچاس فی صد تو کامیابی کی امید تھی ہی لیکن بابر نے اماں کی بات مان لی کہ وہ اسی ہفتے اس سے نکاح کرلے گا تو لمحے بھر کے لیے اس کا جی چاہا تھا کہ وہ بابر کو منع کردے اور ایمل کو جا کر سب کچھ سچ، سچ بتادے کہ وہ جس سے شادی کرنے والی ہے وہ کس قدر سازشی اور دھوکے باز ہے لیکن پھر ہر جذبے پر خود غرضی کا جذبہ غالب آگیا تھا...... ایک شاندار زندگی اس تنگ گلیوں والے محلے سے دور کسی پوش علاقے میں...... بابر جیسے امیر ہم سفر کے ساتھ...... یہی خواب تو دیکھا تھا اس نے اور اب جب اس کا خواب اس کی دسترس میں تھا وہ کیا بے وقوفی کرنے والی تھی۔ غلطی ایمل کی بھی تو تھی نا...... اس نے کیوں اپنے شوہر پر بھروسا نہیں کیا اور آنکھیں بند کر کے دوسروں کی بات پر بھروسا کرلیا۔
اس نے اپنے ضمیر کو سلانے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہوگئی تھی۔
''ٹن، ٹن، ٹن! کلاک کی آواز پر چونک کر اس نے سہمی، سہمی نظروں سے اپنے سیل فون کی طرف دیکھا لیکن اس کا فون خاموش تھا اور اس کی اسکرین تاریک...... اس کی نظر سامنے دیوار پر لگے کلاک پر پڑی جو آخری بار ٹن کر کے خاموش ہوگیا۔ وہ پھر سہمی، سہمی نظروں سے فون کو دیکھنے لگی۔
اور فون کی طرف دیکھتے، دیکھتے اسے احساس ہوا کہ گھنٹے بھر سے اوپر ہوچکا ہے اور فون کی بیل نہیں ہوئی...... اب بابر اسے فون نہیں کررہا تھا جبکہ پہلے تو دو، دو منٹ بعد بیل ہورہی تھی...... بابر اسے فون کیوں نہیں کررہا تھا...... یک دم اس کے اندر کچھ کلک ہوا تھا اتنے سالوں میں وہ بابر کو اتنا تو جان ہی گئی تھی۔
وہ یک دم اٹھی...... اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا...... اس میں موجود رقم کو چیک کیا۔ جوتے تبدیل کیے اور ہینڈ بیگ اٹھا کر اپنے فلیٹ سے باہر نکل آئی...... فون اس نے گھر میں ہی چھوڑ دیا تھا...... فلیٹ لاک کر کے وہ تیز، تیز چلتی ہوئی روڈ تک آئی تھی...... اور ایک رکشا روک کر اس میں بیٹھ گئی۔

(جاری ہے)